جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

بانی

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر

سید احمد خضر شاہ مسعودی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: محدثِ عصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

دسمبر ۲۰۲۴	جلد نمبر ۲۲	شمارہ ۶	سلسلہ نمبر ۱۹۲

بانی: فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر: سید احمد خضر شاہ مسعودی

نائب مدیر

مولانا سید فضیل احمد ناصری
08881347125

اشتراک وتعاون

اندرونِ ملک:

فی شمارہ -/30 سالانہ -/360
خصوصی -/1000
تاحیات -/6000

بیرونِ ملک:

سالانہ: 20 امریکی ڈالر
خصوصی: 100 امریکی ڈالر
تاحیات: 500 امریکی ڈالر

نگران ترسیل

مولانا ابوطلحہ اعظمی
09997504588

شائع کردہ: جامعۃ الامام محمد انور شاہ دیوبند

عقب عیدگاہ، دیوبند 247554 (یوپی)

فون آفس: 01336-220471 فون وفیکس (مدیر) 01336-222471-223371

موبائل (مدیر): 08006075484 ای۔میل: ahmadanzarshah@gmail.com

ورق در ورق

صریر خامہ

قرطاس و قلم

صریر خامہ

عصریات

سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

24/نومبر 2024/ایک نیا زخم دے گیا۔ بابری مسجد کا درد سینے کا ناسور تو پہلے ہی بنا ہوا تھا، کاشی اور متھرا کی مسجدوں کے بھی نمبر لگ گئے۔ وہی پرانا راگ، وہی قدیم تھیوری کہ مسجدوں میں مندریت کے آثار ملے ہیں۔ یہ مقدمات چل ہی رہے تھے کہ اب سنبھل کے واقعے نے کلیجہ پھاڑ دیا۔ وہاں کی قدیم ترین جامع مسجد پر بھی مندر ہونے کا دعویٰ۔ ایک سروے ہو چکا تھا، دوسری بار سروے کے لیے ٹیم آئی تو مسلمان ڈٹ گئے۔ ایک اور مسجد ہم کھونے نہیں دیں گے۔ پولیس کی بھرپور جمعیت پہلے سے ہی موجود تھی۔ ایک فساد پھوٹ پڑا۔ گاڑیاں پھونک دی گئیں۔ ادھر سے آنسو گیس کے گولے، عوام کی طرف سے مٹی کے ڈھیلے۔ چار مسلم نوجوان شہید ہو گئے۔ ان گنت مسلمان گرفتار بھی ہوئے۔ ایس پی کا کہنا ہے کہ گرفتار شدگان پر این ایس اے لگایا جائے گا۔ اچھا خاصا پُرسکون سنبھل بے چینیوں کی بھٹی میں جھونک دیا گیا۔ جس وقت یہ خوں چکاں داستان لکھی جا رہی ہے حالات کشیدہ ہیں اور قابو سے باہر۔ اللہ ہی رحم فرمائے۔ ملک کدھر جا رہا تھا، کدھر موڑ دیا گیا۔

کیا ملک نفرت سے چلے گا؟ کیا وطن نفرتوں سے ترقی پائے گا؟ ذمہ داروں کا ایجنڈا اگر یہی ہے تو صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے!! شعائر اسلام سے کیوں کھیلے جا رہے ہیں! ستم ظریفی تو دیکھیے کہ سب کے وکاس کی بات کرتے ہیں اور رویہ قہرناک۔ کیا منافقانہ کردار سے انہیں شرم بھی نہیں آتی!!

❀ .... ❀ .... ❀

مہاراشٹر کا الیکشن ان دنوں شاہ سرخیوں میں ہے۔ ریاست کی 288/نشستوں پر 20/نومبر کو ووٹنگ تھی اور 23/نومبر کو نتیجے کا اعلان ہو گیا۔ حالات وہی ہریانہ والے رہے۔ عوام میں زعفرانی پارٹیوں سے کوئی دل چسپی نہیں، مگر فتح چھپر پھاڑ کر بھاجپا کی جھولی میں۔ 230/سیٹوں پر اس کا غلبہ اور دبدبہ۔ اقتدار کی مسند پر ایک بار پھر کمل والے۔ مبصرین حیران ہیں کہ یہ کیا اور کیسے ہو گیا! تجزیہ نگاروں کی عقل بھی

دنگ اور بھنگ۔ اب نتائج جو بھی آ رہے ہیں، بس چونکانے والے۔ فضائیں کچھ کہتی ہیں، صدائیں کچھ ہوتی ہیں۔ فتوحات مسلسل اور کارنامے ندارد۔

مہاراشٹر کا یہ الیکشن کئی معنوں میں اہم رہا۔ ایک تو یہ کہ شیوسینا کی تقسیم کے بعد یہ پہلا اسمبلی انتخاب تھا۔ معلوم ہے کہ آں جہانی بال ٹھاکرے نے شیوسینا بنائی تھی، جس کے بینر تلے وہ تاحین حیات مسلم دشمنی کا علم بلند کیے رہے۔ ایک تقسیم تو خود انہیں کے دور میں ہوگئی جب ان کے برادرزادے راج ٹھاکرے نے پارٹی سے علیحدہ ہو کر اپنی نئی راہ چن لی، لیکن شیوسینا کی تازہ تقسیم ابھی چند سال پہلے ہوئی، جب اس میں انتشار کا لاوا پھوٹا۔ ایکناتھ شندے نے ادھو ٹھاکرے کے خلاف بغاوت کر دی اور شیوسینا دو ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئی۔ شوسینا کے اصل وارث ایکناتھ شندے قرار پائے، جب کہ ادھو ٹھاکرے بھی اس کا ایک دھڑا لیے ہوئے ہیں۔ دونوں کے نام ایک ہیں، کام اور جھنڈے الگ الگ۔ جماعت کا قدیم جھنڈا ایکناتھ شندے کے پاس ہے۔ یہی جناب الیکشن سے پہلے وزیر اعلی تھے، جن کے لیے سہارا زعفرانی پارٹی بنی۔

اس انتخاب میں تمام پارٹیوں نے اپنا پورا زور لگایا۔ کامیابی سمیٹنے کے لیے تمام حربے آزمائے۔ ہر قسم کے جتن کیے۔ بھگوا ٹولے کو روکنے کے لیے حزب مخالف نے نیا محاذ بنایا۔ شرد پوار کی این سی پی، ادھو ٹھاکرے کی شیوسینا اور کانگریس شامل رہی۔ اس محاذ کا نام مہاوکاس اگھاڑی تھا۔

ان انتخابات میں بھاجپا نے وہ کیا جو پہلے دیکھا نہیں گیا تھا۔ ووٹ کی تحصیل میں وہ گھبرائی ہوئی نظر آئی۔ صوبے کے سابق بھاجپائی وزیر اعلی نے رائے شماری کو ووٹ جنگ سے تعبیر کیا اور مسلمانوں کے خلاف جم کر گرجے۔ ان کا سیاسی اتحاد مہایوتی کہلایا۔ اب ہر طرف انہیں کے جلوے ہیں۔ انہیں مسلمانوں کے انتشار کا بھی فائدہ ملا۔ ایک ہی نشست کے لیے پندرہ سولہ امیدوار۔ مہایوتی کے لیے گویا سنہرا موقع۔ اقتدار سونے کے طشت میں سجا کر دے دیا گیا۔ کانگریس اور اس کے اتحادی کی قسمت میں وہی نامرادیاں، ناکامیاں اور سیاہ دنوں کی پرچھائیاں۔ کل ہند مجلس اتحاد المسلمین نے بھی اپنی قسمت آزمائی تھی۔ ایک سیٹ پر قانع و شاکر۔ اللہ اللہ خیر سلا۔ اس کا اثر و رسوخ مہاراشٹر کی سیاست میں کیسا رہا وہ آپ کے سامنے ہے۔ مسلمان سیاست میں اپنا وجود کھو بیٹھے۔

❁ .... ❁ .... ❁

وقف ترمیمی بل سرمائی اجلاس میں پیش ہونے کا خدشہ ہے اور منظور ہونے کا خطرہ بھی۔ بعض ارباب اقتدار بارہا کہہ چکے کہ وقف بل بہر حال منظور ہو کر رہے گا۔ جے پی سی کے سربراہ جگدمبیکا پال بھی شدت کے ساتھ یہ بات کہہ چکے ہیں۔ حزب اختلاف نے اس پر غور و خوض کے لیے مزید وقت مانگا، مگر پارلیمانی اسپیکر اوم

برلا سننے کو تیار نہیں۔ اس کی روک تھام کے لیے مسلم تنظیموں نے کافی زور صرف کیا۔ ملک گیر مہم چلائی۔ عوام و خواص کو بیدار کرنے کی کوشش کی، مگر لگتا ہے کہ حکومت اسے منظور کرا کے دم لے گی۔ مہاراشٹر میں بھاجپا کی کامیابی کے بعد وزیر اعظم کا بیان بھی یہی کہہ رہا ہے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو یہ ملت اسلامیہ کے لیے ایک ہائلہ ہوگا۔

❀ .... ❀ .... ❀

چھتیس گڑھ کے وقف بورڈ نے عجیب و غریب فرمان سنا دیا۔ فرعونی و نمرودی کے طمطراق کے ساتھ۔ مسجد کمیٹیوں سے کہا گیا کہ جمعہ کی تقریر میں علما آزاد نہیں رہیں گے۔ کمیٹیوں کو ہر ہفتے یہ اطلاع دینی پڑے گی کہ اس جمعہ کا موضوع گفتگو کیا ہوگا؟ وقف بورڈ نے منظور کیا تب ہی اس پر بات ہوگی، ورنہ امام کا اس پر بیان کرنا ایک جرم قرار پائے گا۔ وقف بورڈ کا یہ فرمان نافذ العمل ہو چکا ہے۔ اس کی کڑی نگرانی بھی شروع کی جا چکی ہے۔ چھتیس گڑھ کی تمام مسجدوں کے متولیوں کا واٹس ایپ گروپ بھی بنا دیا گیا ہے، جس میں ہر ہفتے متولیوں کو یہ بتانا پڑے گا کہ ان کی مسجد میں اس جمعہ کا خطاب کس موضوع پر ہوگا۔ وقف بورڈ کے نئے چیئر مین سلیم راج ہیں۔ وقف ترمیمی بل کا تنازع دیکھیے اور چیئر مین صاحب کا لہجہ بھی۔ گویا اشارہ ہو چکا کہ وقف ترمیمی بل منظور ہو کر رہے گا۔ چیئر مین کے بیان سے مسلمانوں میں سخت تشویش ہے۔ ستم بالائے ستم کہ اس فرمان کے ساتھ یہ دھمکی بھی دی گئی ہے کہ اگر نامنظور موضوع پر تقریر کی گئی یا بلا اطلاع کسی موضوع پر کلام کیا گیا تو متولی کے خلاف کاروائی بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے لیے ایک افسر بھی بورڈ نے رکھا ہے، جو ہر ہفتے جانچ کر یہ بتائے گا کہ اس موضوع پر کی جانے والی تقریر قانونی تھی یا غیر قانونی۔ چھتیس گڑھ میں حکومت بھاجپا کی ہے۔ وقف بورڈ اگرچہ آزاد ادارہ مانا جاتا ہے، مگر یہ فرمان بتا رہا ہے کہ آزادی چھینی جا چکی۔ یہ صورت حال جوئے خوں رلانے والی ہے۔ جمعہ کا دن مسلمانوں کے اجتماع کا دن ہوتا ہے۔ محلے اور دور دراز کے نمازی دوگانے کی ادائیگی کے لیے جوق در جوق آتے ہیں اور اپنے امام کی تقریر سن کر دینی رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ اگر ائمہ پر پابندی لگائی گئی تو اس کے نہایت برے اثرات ظاہر ہونے لگیں۔ بھگوا حکومت کس طرح پہونچے سے گریبان تک پہونچ گئی۔ مذہبی معاملات میں بھی علانیہ دخل اندازی۔ پہلے طلاق ثلاثہ، حجاب، تعدد ازواج اور متعدد اسلامی قوانین میں ترمیم کرنے کے بعد اب مسجد میں بھی مداخلت۔ صد حیف کہ مسلمانوں نے اس پر کوئی نوٹس بھی نہیں لیا اور خاموشی ایسی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اگر مہر سکوت یوں ہی رہی تو خطرہ ہے کہ آگے چل کر قرآن کی تلاوت پر بھی پابندی لگا دیں گے اور کہہ دیں گے کہ فلاں آیتیں پڑھی جائیں اور فلاں نہ پڑھی جائیں۔ حکومتی مداخلت کا یہ سلسلہ اگر روکا نہیں گیا تو ہندوستان میں اسلام کا تحفظ ناممکن ہو جائے گا۔

......✦......

آخری قسط

فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ مسعودی کشمیریؒ کے

علمی، تحقیقی وادبی شہ پارے

حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیریؒ
بانی جامعہ ہٰذا

مولانا اعجاز عرفی قاسمی کی کتاب ذکر حرمین پر شاہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ ایک باذوق قاری کا دامنِ دل کھینچ لیتا ہے۔ انہوں نے لکھا کہ:

لسانِ نبوت کی معجزہ طرازیاں، فصاحت وبلاغت کے ابلتے ہوئے چشمے، معانی کا موجزن سمندر، اعجاز وایجاز کا کوہِ بلند قامت جو کچھ کہئے سب کچھ کہنے کے باوجود کچھ بھی نہ کہنے کی حسرت مول لیجئے، نطق کی سراسیمگی، گویائی کا عجز، بیان کی حسرت اور انشا کی تنگ دامنی کا یقین لے کر اٹھئے، ایک ہی تو ارشاد ہے، دیکھنے میں مختصر، سننے میں سمٹا ہوا لیکن اس کی شرح وتبیین میں زندگی کی مسافتیں، عالم کی پہنائیاں ختم کی جاسکتی ہیں کہ جسم انسانی میں گوشت کا ایک ٹکڑا اس انسانی کائنات کا اہم ترین جز ہے، جس کا صلاح اس عالم سے تا اس عالم اور جس کا بگاڑ دار گیتی سے تا بہ عالم آخرت وسیع وعریض ہے۔ ٹھیک اسی طرح ہماری اس طویل وعریض دنیا میں ایک عمارت ہے جس سے وابستگان ایمان کی روشنی، عبادات کی تنویر، عشق کی سند اور وارفتگی کی منہ بولتی تصویر ہے اور اس سے انقطاع ایمان کی موت، عبادات میں بے کیفی، جذباتِ عشق سے محرومی اور ولولۂ ذوق وشوق سے حرمان نصیبی، وہ عمارت کون سی ہے؟ کہاں ہے؟ کن ہاتھوں نے اس کو کھڑا کیا؟ اس کے رنگ وروغن میں کون سے ایمان کا جلا ہے؟ ان سوالیہ نشانات کا جواب سننے کے لئے کچھ انتظار کیجئے۔ اس سے پہلے یہ سنئے کہ بادشاہانِ کج کلاہ نے بلند وبالا

عمارتیں بنا ڈالیں ، امیروں نے تعمیرات کا سلسلہ قائم کردیا، حکومتوں نے حسین و دل کش مکانات بناڈالے، آگرہ کا تاج محل ہو یا دہلی کا لال قلعہ، بیت المقدس ہو یا اسپین کی حسین ترین مسجد سب کو لیجئے، ان سے رفعتیں اڑا کے حسن وخوب صورتی کا انبار کیجئے، وسعت اور فراخی کا ذخیرہ بنایئے اور پھر ہر ایک کو بے تکلف اس عمارت پر قربان کردیجئے، سب لٹا کر پھر بھی محسوس کیجئے گا کہ ابھی اس عمارت کا حق ادا نہیں ہوا، پھر بتایئے تو سہی وہ تقدس کہاں سے لیں گے؟ اس جیسی عظمت کی نشان دہی کون کرے گا؟ اس کی محبوبیت کی نقل کیسے اتاریں گے اور مہبط انوار الٰہی اس کے سوا اور کسے کہا جائے گا؟ تاج محل کو کتنوں نے دیکھا اور کتنے دیکھیں گے، اس کا حسن کبھی نغمہ بنا، اس کا جمال کبھی شعروں میں ڈھلا، مورخ کا قلم، شاعر کی زبان، عاشق کا قلب، محبوب کا ناز سب کچھ سہی لیکن بتایئے کہ دنیا کیا اس کے لئے تڑپ رہی ہے؟ کیا تمنائے دید میں بے تابیاں مچل رہی ہیں؟ لیکن ایک عمارت ہے جس کی دید کی آرزو بادشاہوں، کج کلاہوں، امیروں، غریبوں، نیک اطوار اور بدخصال ہر ایک کا سودا ہے، جسے دیکھ کر تشنگی بڑھے، جس سے قریب ہو کر اور قریب ہونے کی آرزو جاگ اٹھے۔ کب تک انتظار کیجئے گا، ایہام و استعارہ، تشبیہ و اغلاق کی شکنوں سے نکل کر اب صاف سنئے، یہی وہ عمارت ہے جسے الکعبۃ الشریفہ حرمہا اللہ تعالیٰ الی یوم القیامۃ کا عنوان بلند تر کئے ہوئے ہے، جسے انوار کی بارشیں، تجلیات کی روشنی بقعۂ نور بنائے ہوئے ہے۔ ہیبت وجلال جس کے جلو میں اور رفعت وشوکت جس کے ہر جانب محیط۔ یہاں انبیا کی تڑپ، اولیا کا سوز، ابرار کی سعادت، اخیار کی جبیں سائی اور مومن کا ایمان سربسجود نظر آئے گا۔ یہی وہ عمارت ہے جس کا معمار مخلوق کا برگزیدہ انسان بلکہ شرف انسانی معمار ہے، جس عمارت کی ملائکۃ اللہ دیوانہ وار بلائیں لے رہے ہیں اور جس کے اردگرد دوڑ کر کروڑ ہا کروڑ انسان اپنے سوزِ عشق کا مظاہرہ کر چکے اور کرتے رہیں گے، یہی وہ عمارت ہے کہ دنیا کے گوشے گوشے میں موجود مسلمان اپنی مقدس عبادت میں اسی کی جانب رخ کرتے ہیں، یہی وہ عمارت ہے کہ زبان نبوت نے واضح بتایا کہ جب تک یہ دنیا کے بت کدے میں کھڑی ہوئی ہے تو یہ صنم خانۂ عالم بھی موجود ہے۔ اور خدانخواستہ جس دن یہ خطیرۃ القدس نہ ہوگا یہ کائنات بھی باقی نہ رہے گی، ٹھیک اسی انداز میں جیسے قلب کی موت انسانی زندگی کا خاتمہ ہے یہ قلب عالم بھی باقی نہ رہے گا، ٹھیک اسی انداز میں جیسے قلب کی موت انسانی زندگی

کا خاتمہ ہے، یہ قلب عالم بھی اسی طرح عالم کو سنبھالے ہوئے ہے، مگر کون تھا اس کا بنانے والا، کیا ہے اس کا سن تعمیر، کون تھا اس کا شریک کار، ان سب سے علم و آگہی کے لئے اس صحیفۂ علم و فن کا مطالعہ کیجئے مگر اس سے پہلے ابھی ایک اور شہر کا تذکرہ سنئے، کون سا شہر، شہرِ خوباں نہیں بلکہ دیارِ محبوب، نگارستانِ حسن، چمنستانِ عشاق، یثرب کا وہ نمناک حصہ جس میں شاہِ یثرب بلکہ آقائے دوعالم محوخواب ہیں، جامی نے دیارِ محبوب کے لئے ہم کو یہ سنایا:

احسن شوقا الی دیار لقیت فیہا جمال سلمی

کہ می رساند ازاں نواح پیام و صلت بجانب ما

لے دے کے جمالِ سلمی کا پرستار ایک جامی نکلا، بات آگے بڑھایئے تو نثار شہر، لیلیٰ مجنوں ہوگا اور شیریں کے وطن پر سو جان سے قربان ہونے والا صرف فرہاد ہی، لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کے دیار قدس پر ہر مومن ہر مسلمان جاں نثار و فدا، بلکہ اس کی آرزوؤں کا مرکز اور تمناؤں کا محور یہی مہبطِ وحی اور نگارستانِ رسالت ہے، اس کے ذرے ذرے میں آفتابِ نبوت کی شعاعیں اور گوشے گوشے میں انوارِ رسالت کی ضیاپاشیاں ہیں، یہاں آج بھی ہزاروں صحابہ خوابِ راحت کے مزے لیتے ہیں، جن کی فدائیت کی تعریف اور جاں نثاری کی ولولہ انگیز شہادت خدا سے بڑھ کر اور کوئی نہیں دے سکتا اور جن کے بارے میں قیامت تک کے لئے یہ توثیقی کلمات کتاب لاریب فیہ میں محفوظ کر دیئے: **محمد رسول اللہ والذین معهٗ اشداء علی الکفار الخ** اور اس زمین میں خواجہ دوسرا کی حرم محترم بھی سوتی ہیں اور یہیں شہ کونین کی نور نظر و لخت جگر بھی محوِ خواب ہیں، یہاں آپ کو ریاض الجنۃ بھی ملے گا اور مہبطِ جبریل بھی، صفۂ صحابہ بھی یہیں ہے اور محرابِ نبی بھی یہیں، یہی وہ زمین ہے جس پر خدا کا سب سے وفادار پیکر بیس سال سے زائد اپنے مبارک قدموں سے دنیائے دنی کو شرف و عظمت کا وافر حصہ دیتا رہا، یہیں خلافت کا آغاز ہوا اور یہیں سے علی منہاج النبوۃ حکمرانی کی ابتدا ہوئی، یہیں بدر و احد کے نقشے جمے اور اسی مقدس سرزمین پر محبت و الفت، اخلاق و مروت، حسن خلق و مکارم جمیل کے زمزمے کائنات کے کانوں تک پہنچے، یہی وہ مقام عالی ہے جس پر خدا کا مقدس کلام نزول ہوا، اور پھر یہ وہ معمورہ ہے جہاں انسانیت پروان چڑھ کر اوجِ رفعت تک پہنچی، غرض کہ کیا کہئے اور کیا سنئے: (حسنِ تدبیر، محدث عصر نمبر، ص: ۳۹۰ تا ۳۹۲، جنوری ۲۰۰۹ء)

……✦……

قسط نمبر: ۳

امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری
اور علوم وفنون میں آپ کی جامعیت

مولانا ابوطہ محمد صغیر پرتاپ گڑھی
استاذ حدیث جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

علم تفسیر (۲)

سورۂ آل عمران کے چاروں کلمات کی ترتیب: خوب سمجھ لینا چاہئے کہ ارشاد باری: "اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ" بہ حیثیت جملہ مکمل اور مستقل ہے، معانی کے لحاظ سے بالکل ظاہر اور عیاں ہے، مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے، یعنی حضرت عیسیٰؑ ان کے لیے ایک نعمت خداوندی تھے۔ (نبی امت کے حق میں نعمت ہی ہوتا ہے) جیسا کہ حضرت علیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا: "شهيدك يوم الدين، وبعيثك نعمة" كما في النهاية۔ روز جزاء آپ کا گواہ ہونا اور مبعوث الی الخلق ہونا، نعمت الٰہی ہے۔ یہاں "بعیث" بہ معنی صیغۂ مفعول "مبعوث" ہے، نہ کہ بہ معنی اسم فاعل "باعث"۔ پس آیت کریمہ "اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ" کے معنی ہوئے "آپ ان لوگوں کے لیے ایک نعمت تھے، اب اپنی نعمت سے ان کو محروم کرتے ہوئے آپ کو اپنے پاس بلا لے رہا ہوں"۔ یہ کوئی مبہم بات نہیں ہے کہ "وَرَافِعُكَ اِلَيَّ" سے اس کی وضاحت کی جا رہی ہے، بلکہ "اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ" تو "رَافِعُكَ اِلَيَّ" سے بھی زیادہ اہم ہے؛ اس لیے کہ "اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ" آپؑ کے قتل کے درپے یہودیوں کے ساتھ معاملہ ختم کرنے کا اعلان ہے اور یہ کہ آپؑ کی بعثت کی نعمت سے ان کو محروم کر دیا، یہی سبب ہے کہ "اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ" کو "وَرَافِعُكَ اِلَيَّ" پر مقدم کیا گیا، کیونکہ اصل مبحث یہی ہے اور کلام کا مقصد ومنشاء بھی، نیز یہی معاملے کی اصل جڑ اور بنیاد بھی ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی توفی ایسی ہے، جیسے بادشاہ کا سفارت کاروں کو تعینات ممالک سے واپس بلا لینا، یہ

واپسی کبھی تو، خود انہی کی کسی مصلحت کے سبب ہوتی ہے، کبھی دونوں ممالک کے درمیان تعلقات ختم کرنے کے لیے اور کبھی سفارت کار کو اس سے اعلیٰ منصب عطا کرنے کی غرض سے۔ اسی طرح ملک میں تعینات سفیر کی بے دخلی، کبھی اس کی جان کی حفاظت کی خاطر عمل میں لائی جاتی ہے، یہ ضروری نہیں کہ اس سے دونوں ملکوں کے درمیان پائے جانے والے معاہدۂ صلح کے خاتمہ کا اعلان مقصود ہو۔ حاصل یہ کہ لفظ ''توفی'' حضرت عیسیٰ کو، جو باری تعالیٰ کی جانب سے، خلق کی طرف رسول وسفیر تھے، بارگاہ ایزدی جل جلالہ میں طلب کر لیے جانے پر دال ہے، جیسا کہ امام رازی نے سورہ سجدہ میں ذکر کیا ہے اور یہ مفہوم لفظ ''موت'' میں نہیں پایا جاتا، اس لیے ''موت'' کے بجائے ''توفی'' کا لفظ ذکر کیا گیا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت عیسیٰؑ کو، واپس بلا لینا صرف آپ کو نجات ہی دینے کے لیے نہ تھا، بلکہ یہودیوں کے ساتھ قطع تعلق کا اعلان بھی تھا، برخلاف رفع وتطہیر کے، کیوں کہ ان کا تعلق صرف حضرت عیسیٰ کی ذات سے ہے اور اگر ''رفع'' بغیر ''توفی'' یعنی ان سے نعمت سلب کیے ہوئے بغیر ہوتا، تو ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ کی، ان کے خلاف گواہی دوسرے طریقہ پر ہوتی، مثلا: اللہ تعالیٰ آپ کو خصوصی طور پر باخبر کر دیتے اور پھر آپ اس کے مطابق گواہی دیتے، لہذا محض ''رفع'' اس بات پر دلالت نہ کرتا کہ حضرت عیسیٰ (بعد رفع ان کے حق میں ایسے ہو گئے، جیسے) ان کے نبی ہی نہ تھے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رفع واسراء جب شب معراج میں ہوا تھا، تو اس وقت بھی آپ ہمارے نبی تھے، (اس کے برخلاف ''توفی'' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو رسالت ونبوت کا تعلق ان یہودیوں کے ساتھ تھا، اب وہ ختم ہو گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے نبی نہ رہے کہ آپ پر ان کی بابت گواہی دینا لازم ہو) جیسا کہ امت کے تئیں نبی کی ایک ذمہ داری، ان کی بابت روز قیامت گواہی دینا بھی ہے اور جب ''توفی'' سے یہ معاملہ ہی ختم ہو گیا تو گواہی دینے کا فریضہ بھی باقی نہ رہا۔

اصل بات یہ ہے کہ دو الگ الگ وعدے ہیں: ایک ''توفی'' دوسرا ''رفع''۔ ''توفی'' کا ذکر سورہ مائدہ میں آیا ہے، جس کے معنی ہیں نعمت بعثت کو، ان سے سلب کر لینا اور دعوت وتبلیغ سے محروم کر دینا، گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی عطا کردہ نعمت ان سے واپس لے لی، اسی لیے یہاں ''فلما رفعتني'' نہیں فرمایا گیا، کیونکہ یہ ظاہراً اور حساً قتل کے مقابلے میں ہے، جب کہ یہاں اس سے کوئی غرض نہیں، اس کے برخلاف سورۂ نساء میں رفع کا ذکر ہے (ارشاد ہے: ''بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ'') کیونکہ ظاہراً قتل کی ضد اور مقابل ''رفع'' ہی ہے۔ ''رفع'' قتل سے بچانے کی راہ تھی، نہ کہ اس کا بدل اور قائم مقام، اس لیے کہ آیت آل عمران کے سیاق میں اسی مخلص اور ذریعہ نجات کا ذکر ہے، جب کہ یہاں سیاق مقاطعہ اور تعلقات کے خاتمے کا اعلان ہے اور یہ بات اسی صورت میں ہو سکتی تھی، جب زندہ ہی حضرت عیسیٰ کو اٹھایا جاتا، اگر موت کے بعد رفع ہوتا

تو پھر سارا معاملہ ہی نمٹ چکا ہوتا، اب رفع سے کیا فائدہ؟ نیز موت اس بات کی علت نہیں کہ اس سے سلب نعمت ہی مقصود ہوتا ہے۔ لفظ ''توفی'' کی یہ تشریح وتوضیح حضرت عیسیٰ کی قوم کے اعتبار سے تھی، رہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اعتبار سے، تو اس وقت ''توفی'' کے معنی ہوں گے: "اخذ حق کان له -تعالیٰ-" (اللہ تعالیٰ کا اپنا حق لے لینا) گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی چیز واپس لے لی اور جب واپس لے لی، تو اب بعد میں پیش آمدہ حالات کی نگرانی اور اس پر باز پرس کا بھی سوال باقی نہ رہا، جس طرح بادشاہ جب اپنے نام زد کردہ حکام کو ریاستوں سے واپس دربار میں بلالے، تو حکام کے ذمے نہ ریاست کی نگرانی باقی رہ جاتی ہے اور نہ ہی ان سے باز پرس ہوسکتی ہے۔

یہ بات ارشاد باری: "وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ" (الانعام:٦٠) (اور وہی ہے کہ قبضہ میں لے لیتا ہے تم کو رات میں اور جانتا ہے جو کچھ تم کر چکے ہو دن میں) میں غور وفکر کرنے سے بھی ظاہر ہوتی ہے؛ کیونکہ توفی کی صورت میں مراقبہ اور دیکھ بھال ونگرانی کا ذکر نہیں ہوا؛ اس لیے کہ حضرت عیسیٰؑ کی نگرانی ونگہ داشت تو، ان کی گواہی، تبلیغ اور اس جیسے دیگر امور رسالت کے لیے مبعوث کیے جانے کے وقت ہوگی؛ پس واضح ہوگیا کہ اس وقت یہاں پر "اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ"، ہی سرمایۂ کلام اور مطلوب ومقصود ہے، خطیب کی لاٹھی اور ٹیک نہیں ہے، جسے ذیلی اور ضمنی چیز مانا جاتا ہے، خود اللہ رب العزت نے سورۂ مائدہ میں: ''مَا دُمْتُ فِيْهِمْ'' کے مقابلے میں "فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ" ذکر کر کے، اس کی تفسیر کردی ہے اور قاعدہ ہے ''وبضدها تتبين الاشياء'' (کہ اشیاء کی حقیقت اپنی اضداد سے ظاہر اور واضح ہوتی ہے)۔ پس اللہ تعالیٰ کا آپ علیہ السلام کو پورا پورا لے لینا اور ان کے درمیان نہ چھوڑنا ہی ''توفی'' کا اصل معنی قرار پایا، اسی لیے "مادمت فيهم حياً" نہیں فرمایا، اس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اٹھائے جانے کے وقت بھی زندہ تھے اور اس وقت بھی بہ قید حیات ہیں، ہاں نماز اور زکوۃ کے حکم میں اس کی ضرورت تھی، اس لیے وہاں "حَيًّا"، کے ساتھ مقید کر کے "مَادُمْتُ حَيًّا"، فرمایا اور یہاں یہ قید مناسب نہ تھی، اس لئے اسے ذکر نہ کیا۔ یہ ساری تشریح پہلی صورت یعنی ''توفی'' بہ معنی ''اخذ الحق وتناوله'' پر مبنی تھی۔

رہی دوسری صورت یعنی جب ''توفی'' کے معنی ''توفيه۔عليه السلام۔بعد وفاء العمر'' (عمر پوری ہونے کے بعد آپ علیہ السلام کو لے لینا) لیے جائیں، تو اس وقت بہ حیثیت مفہوم ''**اخذه منهم بعد توفية عمره**'' (آپ علیہ السلام کو ان سے، عمر پوری ہونے کے بعد لے لیا) کے معنی میں ہے؛ اگرچہ اس کا تحقق طبعی موت کے بعد ہوگا۔ چوں کہ بلاغت میں اعتبار مفہوم کا ہوتا ہے، جیسا کہ کنایہ کی بحث میں ہم ذکر کر چکے ہیں (فلیراجع)

لہٰذا یہ بھی حضرت عیسیٰ کے ان کے درمیان رہنے کی نعمت سے، ان کی محرومی، نیز اللہ تعالیٰ کا ان سے معاملہ اور تعلقات ختم کر دینے پر دال ہے، اس صورت میں سابق میں مذکور علمی نکات علی حالہ برقرار رہیں گے۔

واضح رہے کہ "اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ" کے معنی یہ ہیں کہ: میں آپ کو وفات دینے کے درپے ہوں؛ لیکن فی الحال اپنے یہاں اٹھالے رہا ہوں، کافروں سے پاک کر رہا ہوں اور جن لوگوں نے آپ کی اتباع کی ہے، انہیں قیامت تک، آپ کے منکرین پر غالب کر رہا ہوں۔ آپ کی وفات کا سلسلہ، اس کے ابتدائی مراحل اور اس کی تیاری، آپ کے آسمان پر اٹھا لیے جانے کے وقت سے، آپ پر گزرنے والے آخری حالات تک ملحوظ رہی ہے۔ رہا آپ کا نزول فرمانا اور بعد النزول امت محمدیہ -علی صاحبہا الصلوۃ والسلام- کے ساتھ چالیس سال اقامت پذیر رہنا، جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، تو اس کا تعلق آپ کے زمانۂ رسالت و دورِ نبوت سے نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ہے اور آپ علیہ السلام اس وقت امت محمدیہ کے درمیان وارد، مہمان کی حیثیت سے ہوں گے، دجال اکبر کو قتل کرنے کے لیے آئیں گے، جو آپ کا ہم نام (مسیح) ہوگا (یعنی مسیح ضلالت نہ کہ آپ علیہ السلام کی طرح مسیح ہدایت)۔ العیاذ باللہ۔ پس آپ کا یہ قیام، قیام بالتبع ہوگا نہ کہ بالاصالت، لہذا جب "انی متوفيك" سے ارادۂ توفی کی خبر دینا مقصود ہے اور رفع وغیرہ اسی مقصد کے لیے ہے، تو الفاظ کی ترتیب اپنی اصلی حالت پر برقرار رہی، اور لازم نہ آیا کہ رفع سے پہلے آپ کی موت ہوئی ہو۔ اس بات کو خوب سمجھ لو اور جان لو؛ کیونکہ بدبخت (قادیانی) کسی شئی کی خبر دینے کی ترتیب اور شئی کے وقوع کی ترتیب کے درمیان فرق نہیں کر پاتا۔ اخبار بالتوفی کا رتبہ یہاں مقدم ہے، کیونکہ باقی امور (رفع و تطہیر وغیرہ) اسی کی وجہ سے واقع ہوئے ہیں، توفی کا وقوع اشغال زندگی کے بعد ہوگا، من جملہ اشغال زندگی میں سے رفع و نزول بھی ہے، (اس لیے ان کو مؤخر ذکر کرنا) اور توفی کی خبر کو [اس وجہ سے کہ وہی سب سے اہم امر ہے، باقی امور اسی کی وجہ سے ہیں] مقدم ذکر کرنا ضروری ہوا۔ اگرچہ نفس الامر میں اس کا وقوع ان وظائف و اعمال سے فراغت کے بعد ہی ہوگا، جو آپ کے لیے مقدر ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے، جیسے ارادۂ سفر کا اعلان اور باقی دیگر امور مثلا: مناظر قدرت کا مشاہدہ اور سفر کے دوران پیش آنے والے واقعات۔ ظاہر ہے کہ اعلان سفر، سفر سے طبعی طور پر مقدم ہوتا ہے، پس توفی کو مؤخر مان لینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ موت قیامت کے بعد آئے گی، جیسا کہ اس جاہل نے "حمامۃ البشریٰ" کے حاشیہ میں اس کا دعوی کیا ہے، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ: اس نے اسے محمد سعید طرابلسی سے لکھوا کر، اپنی طرف

منسوب کرلیا ہے، جو اس جاہل کی عام عبارتوں اور حاشیہ مذکور کی عبارت میں پائے جانے والے تفاوت سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

تقدیم وتاخیر کی بابت، مزید تفصیل کے لیے دیکھئے ارشاد باری: "وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ" (آل عمران: ۵۵) کے تحت ''روح المعانی'' ص: ۶۰۰۔ وہاں تصریح ہے کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ موت اس ''جعل'' (غلبہ متبعین) کے بعد ہوگی، نہ کہ قیامت کے بعد۔

اگر کوئی ''انا آتیک و زائرک'' [بہ صیغۂ اسم فاعل] کہے تو یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ اس نے اپنی آمد کو واقع اور موجود بنا دیا، اسی وجہ سے بہ صیغۂ اسم فاعل تعبیر کیا، نہ کہ بہ صیغۂ استقبال، حالاں کہ ابھی آمد کا تحقق نہیں ہوا۔ یہ تعبیر اس وقت اختیار کی جاتی ہے، جب انسان کسی کام کی آخری تیاری میں ہو، تو مبادیٔ فعل کو فعل کا درجہ دے کر، اسم فاعل سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، گویا کہ وہ فعل واقع ہو چکا، جیسا کہ علمائے عربیت نے جا بجا اس کی تصریح کی ہے۔

ابن اثیر نے اپنی کتاب ''المثل السائر'' میں لکھا ہے کہ: اسی قبیل سے فعل مستقبل کی بہ صیغہ مفعول خبر دینا بھی ہے، یہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ اسم مفعول فعل ماضی کے معنی کو متضمن ہوتا ہے۔ اس موضوع پر تفصیل سے کلام گذر چکا ہے، اسی قبیل سے ارشاد باری: "اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ، ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْد" ہے۔ (ہود: ۱۰۳)

اس آیت میں اسم مفعول ''مجموع'' کو فعل مستقبل ''یجمع'' پر اس لیے ترجیح دی گئی (یعنی بجائے ''یجمع''، ''مجموع'' فرمایا گیا) کہ اس میں ''یوم'' کے، صفت جمع کے ساتھ متصف ہونے کا ثبوت و تحقق ہوتا ہے، نیز یہ کہ اس صفت کا موصوف وہی ''یوم'' ہے۔ اگر میری بات سمجھ میں نہ آتی ہو تو مذکورہ آیت اور "يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ" (التغابن: ۹) کے درمیان موازنہ کر لو، تمہیں خود میرے قول کی سچائی معلوم ہو جائے گی۔

خلاصہ یہ کہ فعل مستقبل کو وجود میں داخل قرار دینا اور فعل کے بجائے صفت کے صیغوں سے تعبیر کرنا، مبادیات فعل کو فعل کے درجے میں اتار لینے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ صاحب ''روح المعانی'' نے ارشاد باری "اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيْناً" (الفتح: ۱) کے تحت ذکر کیا ہے۔

اس تقریر سے ہمارے مقصد کے علاوہ آیات قرآنی کو بہ صیغۂ صفات تعبیر کرنے کا نکتہ بھی واضح ہو گیا، نیز اس طرح دونوں وجہیں بھی قریب قریب ایک ہو جاتی ہیں، کیوں کہ ''توفی'' کی ابتداء دشمنوں کے درمیان سے آپ علیہ السلام کو اٹھا لینے کے وقت سے ہوئی، پس وہیں سے اس کے مبادیات بھی شروع ہو گئے اور اسی وقت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ و دورِ نبوت اختتام پذیر ہو گیا، اب آپ کا نزول

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ نبوت کے تحت ہوگا، یہی اس ارشادِ نبوی کا مفہوم ہے: "**انکم حظی من الامم و انا حظکم من النبیین**" (مسند احمد: ۲۶۶/۴) (امتوں میں سے میرا حصہ صرف تم ہو، اور انبیاء میں سے تمہارا حصہ صرف میں ہوں۔)

گویا "توفی" [یعنی آپ کو انکے درمیان سے لے لینا] "رفع" کے مقدمات ہی میں سے ہے، کیوں کہ "رفع"، "اخذ" کے بعد ہی ہوتا ہے اور اس کی انتہاء نزول ومکث کے بعد آپ کی وفات پر ہوگی۔ اس بات کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کرلو۔ کیوں کہ اسلاف کے درمیان "توفی" کی تفسیر کی بابت اختلاف رہا ہے کہ وہ بمعنیٰ "اخذ" ہے، یا بہ معنیٰ "رفع" یا بہ معنیٰ "اماتۃ"؛ بلکہ بعض نے تو کبھی اس کی تفسیر "اخذ" یا "رفع" سے کی ہے اور کبھی "اماتۃ" سے۔ جیسا کہ ترجمان القرآن سید الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ ہے کہ "توفی" بہ معنیٰ "اماتۃ" ہے، جب کہ صحیح سند سے مروی آپ کی تفسیر یہ ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھالیے گئے، چناں چہ درمنثور میں ہے کہ عبد بن حمید، نسائی، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

"**لما اراد اللہ ان یرفع عیسی الی السماء خرج الی اصحابه وفی البیت اثنا عشر رجلا من الحواریین، فخرج علیهم من عین فی البیت، ورأسه یقطر ماء، فقال: ان منکم من یکفر بی اثنی عشر مرۃ، بعد أن آمن بی، ثم قال: ایکم یلقی علیه شبهی، فیقتل مکانی، ویکون معی فی درجتی، فقام شاب من احد ثهم سنا، فقال له: اجلس، ثم عاد علیهم، فقام الشاب، فقال: اجلس، ثم عاد علیهم، فقام الشاب، فقال: انا، فقال: هو انت ذاک، فالقی علیه شبه عیسی، ورفع عیسی من روزنة فی البیت الی السماء...**" الخ۔ (درمنثور، ۲/ ۴۲۳، سورہ نساء: ۱۵۷)

(جب اللہ تعالی نے عیسی علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھالینے کا ارادہ فرمایا تو حضرت عیسیٰؑ اپنے اصحاب (حواریین) کے پاس آئے، اس وقت گھر کے اندر بارہ حواری تھے (اپنے اصحاب کے پاس آنے کا مطلب یہ ہے کہ) گھر میں جو چشمہ تھا، اس سے غسل کر کے حواریوں کے پاس آئے، دراں حالیکہ سر سے پانی ٹپک رہا تھا اور آکر آپ نے فرمایا: تم میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ مجھ پر ایمان لانے کے بعد بارہ مرتبہ کفر کریں گے۔ پھر فرمایا! تم میں سے کون اسے پسند کرتا ہے کہ میری شبیہ اس پر ڈالی جائے اور میری جگہ قتل کیا جائے (اور اس کے بدلے) وہ جنت میں میرا رفیق بنے؟ (یہ سن کر) ایک نوجوان جو کہ ان میں سب سے کم عمر تھا، کھڑا ہوا اور اپنے آپ کو اس کے لیے پیش کیا۔ آپ نے اس سے کہا تم بیٹھ جاؤ۔ پھر دوبارہ آپ نے یہی اعلان کیا۔ تو وہی نوجوان پھر کھڑا ہوا، آپ نے پھر اس سے بیٹھ جانے کو کہا: تیسری مرتبہ پھر جب آپ نے اعلان کیا، تو پھر وہی نوجوان کھڑا ہوا اور کہا کہ: میں ہوں (یعنی میں اس کے لیے تیار

ہوں) آپ نے فرمایا کہ: بیشک تو ہی اس کا مستحق ہے، چناں چہ اس پر حضرت عیسی کی شبیہ ڈال دی گئی اور حضرت عیسیٰ گھر کے روشن دان سے آسمان کی طرف اٹھالیے گئے......الخ۔

امام نسائی کی ایک تفسیر ہے، جسے ان کے شاگرد حمزہ نے روایت کیا ہے، حافظ ابن کثیر، ابن ابی حاتم کی سند سے اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''یہ اسناد ابن عباس تک بالکل صحیح ہے اور نسائی نے بھی بہ واسطہ ابو کریب ،ابو معایہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر :۱/ ۵۴۴،سورہ نساء:۱۵۷)

اس بد بخت نے اسلاف کے اختلاف لفظی کو اجماع قطعی کے رد کرنے کا بہانہ بنالیا۔لاحول ولاقوۃ الا باللہ اور یہ دعوی کیا کہ: ''توفی'' ''اماتۃ'' کے معنی میں ہے۔اور اس کو مؤخر کرنا ترتیب ذکری سے (یعنی رفع و تطہیر وغیرہ کو مقدم ماننا اور ''توفی'' بہ معنی ''موت'' کے بارے میں کہنا کہ یہ قیامت کے قریب بعد نزول ہو گی) تحریف ہے؛ مگر مناظرین نے یہ کہہ کر اسے رسوا کر دیا کہ: اگر تطہیر (وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا) سے مراد، یہود کی افترا پردازی سے، حضرت عیسی اور آپ کی والدہ محترمہ کی برأت کا اظہار، بہ زبان خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کرنا ہے ،جیسا کہ تیرا دعوی ہے ،تو ارشاد باری "وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ" سے مؤخر ہونا چاہیے تھا، اس لیے کہ فوقیت تو تطہیر سے پہلے ہوئی (تطہیر تو بہ زعم خویش حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کے بعد ہوئی) اور اگر تو ''تطہیر'' کو بہ معنی ''انجاء'' لیتا ہے، تو ''رفع'' کو] جو بزعم خویش موت طبعی کے وقت ہوا[تیرے قول کے بہ موجب تقریبا ستاسی ۸۷/ سال مؤخر ہونا چاہیے؟ حاصل یہ کہ ہر حال میں ترتیب ذکری فوت ہوتی ہے اور تیرے ہاتھ سوائے رسوائی، ونامردای کے کچھ نہ لگے گا، ترتیب ذکری کے فوت کرنے کا الزام دوسروں پر لگا تا تھا اور خود اس کا مرتکب نکلا۔ وکفی اللہ المؤمنین القتال۔ تفسیر ''البحر المحیط ''میں ہے کہ ارشاد باری: "اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ"، "مُتَوَفِّيْكَ، مُطَهِّرُكَ" اور "جَاعِلُكَ" میں سے ہر ایک سے متعلق ہوسکتا ہے، جیسا کہ ہم ''توفی'' کی تفسیر میں ذکر کر چکے ہیں کہ ''توفی'' کے معنی حضرت عیسی علیہ السلام کو دشمنوں سے بچا کے، مکمل طور پر اپنی بارگاہ میں بلالینا ہے اور یہ زمانۂ رفع سے ،زمانۂ نزول ، بلکہ موت تک ممتد ہے ، اس جاہل کا یہ کہنا کہ لفظ ''توفی'' موت ہی کے معنی میں آتا ہے، اس کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے، نیز اس جاہل سے پوچھا جائے کہ کیا ''توفی'' اور ''رفع'' دونوں الفاظ کا استعمال ،حضرت عیسی علیہ السلام کے سوا کسی اور کے لیے بھی ہوا ہے؟ ظاہر ہے کہ پورے قرآن اور حدیث میں سوائے حضرت عیسی علیہ السلام کے، کسی دوسرے کے متعلق، ان دونوں الفاظ کو ایک ساتھ ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ واللہ الہادی۔ اہل تواتر واہل اجماع کی عبارتوں میں، حضرت عیسی کی بابت صرف لفظ ''رفع '' کا ہی ذکر ملتا ہے، ''توفی'' کا نہیں، نیز حضرت ابو ہریرہؓ سے

مروی حدیث معراج میں، خود حضرت عیسی علیہ السلام سے، اللہ تعالی کی تعریف کی بابت، یہ الفاظ منقول ہیں: "ورفعني وطهرني من الذين كفروا "(اس میں بھی لفظ "توفی" نہیں ہے) یہ حدیث کتب زوائد وغیرہ میں موجود ہے، نیز محمد بن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں، سورہ نجم کے تحت، تابعی کے نام میں جزم اور صحابی کے نام میں تردد کے ساتھ ذکر کیا ہے، تعین صحابی میں تردد کی وجہ سے سند حدیث پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ (اس لیے کہ جہالت صحابی مضر نہیں ہے) جب کہ "الخصائص" میں جزم ویقین کے ساتھ، صحابی کا بھی ذکر ہے۔ فليراجع ۔ پھر یہ کہ زمخشری اور رازی کے ذکر کردہ مقصد اور میرے مقصد میں کوئی تناقض نہیں، اس لیے کہ نظم قرآنی جوامع الکلم ہے، جو کئی معنوں اور مناسب اعتبارات کی حامل ہے اور یہ تو ایسے نکات ہیں، جن کے تعدد میں کوئی شک وشبہ ہی نہیں، نیز میں نے جو جزء سلبی کا حصر "لاقتلا بایدیہم" نکالا ہے، وہ میرے نزدیک اس بات کے اسی میں منحصر ہونے سے مستفاد ہے، جس کا اللہ تعالی نے ارادہ کیا ہے اور وہ توفی ہے، اس لیے کہ یہی اپنے مادے اور باعتبار مفہوم مخالف، قتل کا مقابل اور ضد ہے، اس کی نظیر یہ ارشاد باری ہے: "لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا" (آل عمران:۱۵۶) (اگر رہتے ہمارے پاس تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔) (اس آیت میں موت طبعی کو "مَاتُوْا" اور اس کے مقابل "موت بالقتل" کو "قُتِلُوْا" سے بیان کیا ہے) گویا یہ بالکل ایسے ہی ہے، جیسے ضدین میں سے اگر ایک کو ذکر کردیا جائے تو خود بہ خود دوسرے کی نفی ہوجاتی ہے، اور یہ نفی قصر ترکیبی کے اعتبار سے نہیں حاصل ہوتی ہے، جیسے "زید قائم" کہ اس میں قیام کا تو حصر نہیں ہے، لیکن اس کی نفی ضرور ہورہی ہے کہ وہ اس وقت بیٹھا ہوا نہیں ہے، اس لیے کہ مشتقات میں حصر کا فائدہ میرے نزدیک مخفی ہے، اگرچہ "المفتاح" میں "وان ضيف الم فهم خفوف" کے تحت مذکور ہے، خصوصاً جبکہ نواسخ جملہ بھی موجود ہو، جیسا کہ عربیت کا ذوق اس پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ بلکہ اس بات سے حاصل ہے کہ یہ جملہ یہودیوں کے مقابلے میں بولا گیا ہے، پس ان کے قول کی تردید ہی جزء سلبی ہوئی۔

ہاں کلام میں عیسی علیہ السلام کی شرافت وعظمت کی رعایت ضروری تھی، اس لیے فعل "توفی" کی اسناد اللہ تعالیٰ نے خود اپنی جانب کی ہے (چناں چہ فرمایا ہے: "اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ") جیسا کہ علماء کرام نے حدیث "وانا اجزی به" (بخاری: ۱/ ۲۵۴) اور آیت کریمہ "وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ" (الحجر: ۲۹) اور اس جیسی دوسری مثالوں میں اس نکتے کو ذکر کیا ہے۔ یہاں موضوع بحث لفظ "توفی" سے متبادر تھا اور اس سے پہلے جو کچھ مذکور ہوا وہ اس کے معنی متضمن یعنی "وفاء العمر" کے اعتبار سے تھا، اتنی تفصیل سے اس لفظ کا مفہوم بھی واضح ہوگیا اور مسئلہ ترتیب کی گتھی بھی سلجھ گئی۔ واللہ الموفق وبہ نستعین۔(۱) حوالہ(۱) حیات ابن مریم ترجمہ عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسی علیہ السلام، ص: ۱۶۹-۱۷۶

علومِ انوری کے ترجمان وشارح
محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ

مولانا سید فضیل احمد ناصری
استاذ حدیث جامعہ ہٰذا ونائب مدیر محدث عصر

امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے تلامذہ کا ذکر خیر ہو تو مولانا محمد یوسف بنوری کا نام خود بخود ایسے چلا آتا ہے جیسے پھول کا ذکر چھڑتے ہی اس کی خوشبو کا۔ امام العصر حضرت کشمیری کے کامل واکمل علمی جانشینوں کی فہرست تیار کی جائے تو ان کی شخصیت سرفہرست ٹھہرتی ہے۔ وہ بیک وقت محدث، مفسر، ادیب، مدبر سبھی کچھ تھے۔ محیر العقول۔ صاحب مقامات وکرامات۔ علومِ انوری کے ترجمان وشارح، احقاقِ حق وابطالِ باطل میں ممتاز، فتنۂ پرویزیت کے لئے برقِ آسمانی۔ محدث العصر کے بھاری بھرکم لقب سے سرفراز ہوئے۔ ان کے نقوش پائیدار ہیں۔ ان کی خدمات لازوال ہیں۔ بقول فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ:

> وہ علامہ کشمیریؒ کے باختصاص شاگرد، جن پر علامہ کا علم ناز کرتا ہے۔ وہ تلمیذ سعید، جس پر استاذ کی روح پرفتوح نازش کرتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ علامہ کے علوم کی اشاعت ان کے حصّے میں ٹھیک اس طرح آئی جیسا کہ ابن قیمؒ کے حصے میں اپنے مشہور زمانہ، جلیل علامہ ابن تیمیہؒ یا سخاویؒ کے حصے میں ابن حجر عسقلانیؒ اور قاسم بن قطلو بغاؒ کے حصے میں ابن ہمامؒ کے بے مثال فن کی۔ (لالہ وگل، ص 161)

ولادت، خاندانی پس منظر، تعلیم

ممدوح کی عالی ذات کا کیا کہنا! فضائل وکمالات سے ہر طرح آراستہ۔ سادات خاندان کے گل سرسبد۔ نواسۂ رسول، شہید کربلا سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے۔ پشاور ان کا وطن تھا۔ مجدد الف ثانی کے خلیفۂ اجل مولانا سید آدم بنوریؒ ان کے جد اعلیٰ تھے۔ بنور، پٹیالہ پنجاب میں ایک

گاؤں ہے۔ مولانا سید آدم بنوریؒ وہیں پیدا ہوئے اور ان کی پوری نسل بنوری کہلائی۔ مولانا یوسف بنوریؒ 6/ربیع الثانی 1326ھ میں پیدا ہوئے۔ عیسوی سن 1908 تھا۔ والد کا نام سید زکریا۔ دادا کا نام مزمل شاہ اور پردادا کا نام میر احمد شاہ۔ والد صاحب افغانستان کے دارالحکومت کابل میں رہتے تھے۔ مختلف الالوان۔ ایک رنگ جاتا، ایک رنگ آتا۔ مولانا کا تعلیمی سفر وہیں سے شروع ہوا۔ قرآن مجید اپنے والد اور ماموں سے پڑھا۔ ماموں کا نام مولانا فضل صمدانیؒ تھا۔ کابل کے ایک مکتب میں صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ حافظ عبداللہ بن خیر اللہ پشاوریؒ شہید اس دور کے اساتذہ میں تھے۔ فقہ، اصول فقہ، منطق اور معانی وغیرہ کی تعلیم کابل اور پشاور کے مدارس میں پائی۔ مولانا عبدالقدیر افغانیؒ ان کے خاص استاذ تھے، جو جلال آباد افغانستان میں محکمۂ شرعیہ کے قاضی مرافعہ تھے۔ شیخ محمد صالح افغانیؒ سے بھی انہوں نے کتابیں پڑھیں۔ 1345ھ سے 1347ھ تک دارالعلوم دیوبند میں پڑھا۔ اس دوران علوم وفنون کی بقیہ کتابیں زیر درس آئیں۔ اصول حدیث اور علم حدیث کی کتابیں اسی دوران پڑھیں۔

دارالعلوم دیوبند میں

دارالعلوم دیوبند کی شہرت ان کے کان میں پڑ چکی تھی۔ وہی انہیں یہاں کھینچ لائی۔ قیام دارالعلوم کے دوران ان کی رہائش چھتہ مسجد میں رہی۔ عربی زبان کا ذوق کابل میں ہی ہو گیا تھا۔ امیر امان اللہ خان کے ایک وزیر جدید عربی ادب اور مصری طرز نگارش سے شغف رکھتے تھے۔ مولانا کی ثاقب ذہنی نے انہیں متاثر کیا تو جدید مصری ادیبوں کی کتابیں ہدیہ کیں۔ ان کی اخاذ طبیعت کا کرشمہ کہ مولانا کا ادبی ذوق نکھرتا اور سنورتا چلا گیا۔ شستہ شگفتہ اور سلیس عربی لکھنے لگے، حالانکہ ابھی تک مقامات حریری بھی پڑھی نہیں تھی۔

علامہ کشمیریؒ کی خدمت میں خط

دیوبند آئے تو یہاں امام العصر علامہ کشمیریؒ کو نہایت قریب سے دیکھا۔ ان کی عبقری شخصیت نگاہوں میں ایسی بسی اور دل میں ایسی رچی کہ ان کی خدمت میں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ رابطہ پیدا کرنے کے لیے عربی زبان میں ایک لمبا چوڑا خط لکھا۔ مکتوب کچھ اس رنگ کا تھا کہ کشمیر کا یہ درناب بھی متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ بے تکلف اپنے ساتھ ملحق کر لیا۔ مولانا کے رفیق درس مولانا لطف اللہ پشاوریؒ کہتے ہیں:

> ''مولانا مرحوم کو امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ سے اسی زمانے میں انتہا درجے کی عقیدت پیدا ہو گئی تھی۔ دارالعلوم میں قیام پر کچھ عرصہ گزرا تو آپ نے عربی میں ایک طویل خط حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں لکھا، جس میں ان سے استدعا کی گئی کہ مجھے اپنا

خادم بنالیں۔شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خط پڑھا۔لے کر رکھ لیا اور دوسرے وقت آنے کو کہا۔مولانا مقررہ وقت پر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پہلا سوال کیا کہ ادب کہاں پڑھا ہے؟ عرض کیا: کہیں نہیں۔فرمایا: بس آپ کو حاجت نہیں، اتنا کافی ہے۔'' (بینات،خصوصی شمارہ،ص/32)

مولانا مرحوم ابھی مشکوۃ شریف کی جماعت میں تھے کہ دارالعلوم دیوبند میں مشہور زمانہ اسٹرائیک ہو گئی۔طلبہ کا ہجوم علامہ کشمیریؒ کے ساتھ تھا۔کئی نامور اساتذہ بھی ان کے ہم خیال تھے اور دارالعلوم سے سبکدوشی کے لیے تیار۔فیصلہ یہی ہوا کہ ڈابھیل کا رخ کیا جائے، چناں چہ اپنے استاذ کی محبت میں مولانا مرحوم بھی ڈابھیل چلے گئے اور وہیں دورۂ حدیث پڑھ کر رسمی طالب علمی سے فراغت پائی۔یہی مولانا لطف اللہ پشاوریؒ کہتے ہیں:

''میں تو امتحان دے کر وطن پشاور آ گیا۔ادھر دیوبند میں مشہور زمانہ اسٹرائیک ہوگئی، جس میں مولانا محمد انور شاہ (کشمیریؒ)، مولانا شبیر احمد (عثمانیؒ)، مولانا بدر عالم (میرٹھیؒ) اور مولانا سراج احمدؒ وغیرہ کا مہتمم حضرات سے اختلاف ہوا اور فیصلہ ہوا کہ یہ حضرات دارالعلوم سے علیحدہ ہو کر کسی اور جگہ تشریف لے جائیں۔95/ فی صد طلبہ بھی ان کے ساتھ تھے، اس لیے ایسی جگہ کی تلاش ہوئی جو ان مدرسین کے ساتھ ان سب طلبہ کا بوجھ بھی برداشت کر سکے۔بالآخر ڈابھیل کے سیٹھ گارڈین اور موسی میاں وغیرہ نے مشورہ کر کے ڈابھیل میں نئے دارالعلوم کی بنیاد ڈالی اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے رفقا سمیت تشریف لانے کی درخواست کی۔جو طلبہ ان کے ساتھ دارالعلوم ڈابھیل گئے، ان میں مولانا محمد یوسف بنوریؒ بھی شامل تھے۔وہیں آپ نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔'' (حوالۂ بالا)

فراغت کے بعد 1930/ میں پنجاب یونیورسٹی سے پرائیویٹ تیاری کر کے مولوی فاضل کا امتحان دیا اور سند حاصل کی۔اس پوری محنت میں ایک ماہ کا وقت صرف ہوا۔

مولانا کا دور طالب علمی بڑا ہی حیرت انگیز تھا۔پڑھنے لکھنے میں مکمل انہماک، درسی کتابوں کے ساتھ غیر درسی کتابیں بھی ان کے مطالعے میں رہتیں، جن سے درس کے دوران فائدہ اٹھاتے۔قیام کابل کے دوران ہی عربی زبان و ادب پر دسترس حاصل کر لی تھی۔بہ زبانِ عربی شاعری بھی کرنے لگے تھے۔ان کا لکھا ہوا نعتیہ کلام لغت عربی پر عبور اور قدرت کاملہ کا پتہ دیتا ہے۔ان کا مجموعۂ کلام بھی شائع ہو چکا ہے۔حضور علیہ السلام کی شان میں ایک قصیدہ فائیہ قاہرہ کے ہفت روزہ ''الاسلام'' میں شائع ہوا تھا، جو کافی مقبول ہوا۔

کشمیری الامام دارالعلوم سے نکل چکے تھے اور محلہ خانقاہ میں اقامت گزیں۔ ابھی ڈابھیل کا سفر ہوا نہیں تھا۔ طلبہ کے شدید اشتیاق پر اپنے مکان کی قریبی مسجد میں مؤطا امام مالک کا درس شروع کر دیا۔ علوم انوری کے گرویدہ وفریفتہ البنوری کی تو جیسے باچھیں کھل گئیں۔ معارف وکمالات سے معمور اس مجلس میں والہانہ شریک ہوئے اور دسترخوانِ انوری سے زلہ ربائی کی۔ درس کی روداد بیان کرتے ہوئے فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری قدس سرہ لکھتے ہیں کہ:

> ''طلبۂ دارالعلوم کے اصرار پر مسجد خانقاہ میں موطا مالک کا درس شروع ہوا۔ میقات صلاۃ میں کلام فرماتے ہوئے مختلف علوم زیر بحث آئے۔ بنوریؒ نے کچھ عرض کیا، تو فرمایا: آپ کہاں سے بول رہے ہیں؟ عرض کیا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے یہی لکھا ہے۔ فرمایا کہ شاہ صاحبؒ سمجھے نہیں۔ پھر شاہ صاحبؒ کے نظریے کی مکمل تردید ہوئی۔ بنوریؒ کہتے ہیں کہ اپنی مختصر علمی زندگی میں حیرت کا آج پہلا دن تھا کہ یہ علامہ شاہ صاحب الدہلویؒ کے بھی افکارو نظریات کی جامع تقلید نہیں کرتا، بلکہ اپنے دامن علم میں وہ تبحر وتعمق رکھتا ہے کہ کھرے کھوٹے میں امتیاز کی بھرپور صلاحیت ہے۔ طبیعت اخاذ تھی اور گوہر شناس بھی۔ بس اس پہلے دن کی اشنائی کے بعد علامہ کے دامن سے خود کو اس طرح وابستہ کیا کہ موت کی آخری ہچکی تک عقیدتوں کا دامن ان کے ہاتھ سے کوئی نہ چھڑا سکا۔ ان کا کوئی سبق، کوئی مجلس، کوئی نگارش اپنے استاد کے والہانہ تعلق وعقیدت کے تذکرے سے خالی نہ تھی۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ علامہ کے علوم کو جتنا انہوں نے سمجھا شاید کوئی شاگرد سمجھا ہو۔'' (لالہ وگل، ص162)

جن سے مولانا کو اجازت حدیث حاصل ہے

کابل، پشاور، دارالعلوم دیوبند اور جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل میں جن اساتذہ سے پڑھا ان میں سے چند کے نام گزر چکے ہیں، ان کے ساتھ ہی مولانا نے بلاد اسلامیہ میں اپنے علمی اسفار کے دوران جن اکابر علما ومحدثین سے استفادہ کیا ان میں محقق کبیر علامہ محمد زاہد الکوثری، عالم کبیر شیخ خلیل احمد الخالدی المقدسی، محدث جلیل شیخ عمر ابن حمدان المالکی، استاد کبیر شیخ محمد ابن حبیب اللہ جیسے عباقرۂ عصر بھی شامل ہیں۔ ان کی خاص بات یہ بھی ہے کہ شاہ عبدالغنی مجددی کی بیٹی امۃ اللہ صاحبہ سے بھی اجازت حدیث حاصل تھی۔ مرحومہ اپنے زمانے کی عظیم محدثہ تھیں۔ زندگی مدینہ منورہ میں بسر ہوئی اور وہیں پیوند خاک ہوئیں۔

عملی میدان میں قدم زنی

فراغت کے بعد مولانا مرحوم وطن چلے گئے اور جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے سیاسی وملی خدمات میں

مصروف ہو گئے۔ بعد میں جمعیۃ علماء پشاور کے صدر بھی ہوئے۔ امام العصر الکشمیری سے غایت تعلق کی بنا پر چند برسوں کے بعد ڈابھیل انتظامیہ نے انہیں مدرس رکھ لیا۔ پھر ترقی کرتے کرتے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث بھی بنے۔ بخاری شریف، ترمذی شریف اور ابو داؤد شریف کا کامیاب درس دیا۔ ان کا درس کس درجہ مقبول تھا اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوسکتا ہے کہ ڈابھیل میں ایک مرتبہ سوال کھڑا ہو گیا کہ ترمذی شریف کون بڑھائے گا؟ تین نام تھے۔ تمام کے تمام ممتاز اور اپنے فن میں کامل۔ کسی نام پر اتفاق نہیں ہو پا رہا تھا۔ مجبوراً طلبہ سے رائے طلب کی گئی۔ سب نے حضرت مولانا کا نام لے لیا۔ لامحالہ ترمذی بھی انہی کے نام کی گئی۔ اپنی تدریسی زندگی پر مولانا مرحوم رقم طراز ہیں کہ:

> ''ان پچیس سالوں میں مختلف فنون اور حدیث وغیرہ کی بہت سی کتابیں زیر درس رہیں ہیں، جن کو خوب تحقیق و تدقیق کے ساتھ پڑھایا، خصوصاً سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، صحیح مسلم، صحیح بخاری، سنن نسائی، ابن ماجہ، موطا مالک، موطا محمد، مقدمہ ابن صلاح وغیرہ۔ علم ادب کی کتابوں میں سے مقامات بدیع الزماں الہمدانی، مقاماتِ حریری، مقاماتِ زمخشری، سبع معلقات، ہمزیہ، بوصیری، دیوانِ حماسہ وغیرہ۔'' (بینات خصوصی شمارہ، ص: ۲۲، ۲۱)

ملک تقسیم ہو چکا تھا، پاکستان بن چکا تھا، ڈابھیل کے بیشتر طلبہ پاکستانی علاقے کے تھے، ان کی آمد بند ہو گئی۔ مولانا کا دل اچاٹ ہونے لگا تھا، اسی دوران دار العلوم دیو بند میں تدریس کی دعوت دی گئی اور باصرار کہا گیا کہ دار العلوم کی مدرسی کے لیے منظوری دیں۔ اس کے ساتھ ہی منصب افتا کے لیے بھی اصرار ہوا، مگر انہوں نے قبول نہیں کیا۔ اپنی خودنوشت میں انہوں نے لکھا ہے کہ:

> ''قیام ڈابھیل کے دوران دار العلوم دیو بند کے طبقۂ علیا کی مدرسی کی پیشکش بار بار کی گئی۔ نیز دار العلوم دیو بند میں منصب افتا کے لیے شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا حسین احمد مدنی رحمہا اللہ اور قاری محمد طیب صاحب تینوں حضرات نے اصرار فرمایا، مگر قبول کرنے سے معذرت کر دی۔ جامعہ احمدیہ بھوپال کے لیے علامہ سید سلیمان ندوی نے بھی دعوت دی، مگر اسے بھی قبول نہیں کیا۔'' (ایضا، ص، 19)

1951 / ء میں مولانا نے ہندوستان چھوڑ دیا اور پاکستان کو مستقل اپنا مسکن بنایا۔ درس و تدریس کا سلسلہ وہاں بھی جاری رہا۔ پاکستان پہونچتے ہی دار العلوم ٹنڈو الہ یار میں شیخ التفسیر کے منصب پر تقرر ہوا، ادارہ بڑا ہی نیک نام اور دار العلوم دیو بند کے طرز پر تھا۔ تین برس خدمات پیش کرنے کے بعد کراچی چلے گئے اور فارغین مدارس کی تربیت کے لیے ایک علمی ادارہ قائم کیا۔

دورانِ تدریس بے شمار طلبہ نے آپ سے استفادہ تو کیا ہی، ان کے علاوہ عالم اسلام کے بڑے

بڑے محدثین نے بھی مرحوم بنوری سے اجازتِ حدیث لی، جن میں سے چند کے نام یہ ہیں:

شیخ علماء ابن عبید الرحمن الصنیع (مکہ مکرمہ) محدث شیخ حسن المشاط (مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ) شیخ ابراہیم ختمی (مدینہ منورہ)، شیخ عبدالعزیز عیون السود حمصی (شامی) شیخ علی محمد مراد حموی، عالم جلیل شیخ عبد الفتاح ابوغدہ۔

جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کی تاسیس

ٹنڈوالہ یار کا ادارہ چھوٹا تو کئی بڑے اداروں نے انہیں پیش کش کی، مگر اب ارادہ اپنے ذوق کے مطابق ایک ادارے کی بنیاد کا ہو چلا تھا۔ کسی بھی پیشکش کو درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی ان کے اسی خواب کی تعبیر ہے۔ یہ ادارہ اس وقت پاکستان کے ممتاز ترین دینی مدارس میں شمار ہوتا ہے۔ ملک و بیرون ملک میں اس کی دھوم ہے۔ طلبہ کا رجوع قابل رشک۔ صرف پاکستان ہی نہیں دوسرے ممالک کے تشنگان علوم بھی برابر پہنچ رہے ہیں۔ میزان سے لے کر بخاری شریف تک کی تعلیم۔ ان کے ساتھ دیگر تکمیلات وعلوم وفنون بھی۔ اس کی پیروزہ بختی کہ ہر زمانے میں اسے کہنہ مشق اور اعلیٰ درجے کے اہل علم کی خدمات میسر رہیں۔ اس کا دارالافتا اپنے آپ میں ایک مثال ہے۔ بے لاگ اور دوٹوک فتوے دینا اس کا طرۂ امتیاز ہے۔ تفصیل اور حوالہ اس کے ممیزات میں سے ہے۔ اس کے فتوے دیوبندی برادری میں سب سے زیادہ مقبول ہیں۔ یہ ادارہ جب شروع ہوا تو اصولوں کی بڑی سختی کے ساتھ۔ ایک اصول یہ بھی تھا کہ زکوٰۃ کی رقم قبول نہ کی جائے۔ اس درس گاہ نے بڑی شہرت حاصل کی۔ یہ ادارہ محرم 1373ھ/ مطابق 1954ء/ میں ایک مسجد سے شروع ہوا۔ وہ علاقہ اس وقت نیوٹاؤن کراچی کہلاتا تھا، اب بنوری ٹاؤن کہلاتا ہے۔ طالبانِ علوم دنیا بھر سے اس کا رخ کر رہے ہیں۔

قادیانیت کے خلاف مولانا کی جدوجہد

مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف امام العصر الکشمیریؒ کی شبانہ روز مساعی ناقابل فراموش ہیں۔ وہ اس فتنے کی سرکوبی کے لیے کس حد تک جا چکے تھے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ بواسیر سے شکستہ جسم کے ساتھ بھی بہاولپور کی عدالت میں پہونچے اور امت مسلمہ کی جانب سے زبردست وکالت فرمائی۔ واپسی پر شاگردوں سے فرمایا کہ جب فیصلہ ہمارے حق میں آجائے اور میں دنیا میں نہ رہوں تو میری قبر پر آکر اس کی خبر دی جائے۔ علامہ کشمیریؒ کی قادیانیت شکنی کا یہ رویہ ان کے ممتاز تلامذہ میں بھی آیا۔ خصوصاً مولانا محمد یوسف بنوریؒ اس معاملے میں بھی اپنے استاد کے صحیح جانشیں قرار پائے۔ قادیانیوں سے ان کی نفرت دیکھنی

ہوتو مولانا لطف اللہ پشاوری صاحبؒ کا یہ بیان سننا چاہیے:

''جمعیۃ علمائے سرحد سے تعلق کے زمانے میں ہمیں محسوس ہوا کہ پشاور میں قادیانی اپنے پاؤں پھیلا رہے ہیں اور دین سے ناواقف طبقہ کو گمراہ کر رہے ہیں۔ پشاور کا ایک قادیانی مسمی غلام حسین جو قرآن کریم کی قادیانی تفسیر (یا بلفظ صحیح تحریف) بھی لکھ چکا تھا وہ پشاور میں صبح کو درس قران دیتا تھا۔ نوجوان وکلا اور کالجوں کے ناپختہ ذہن طالب علم اس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ پشاور کے مشہور لیڈر جو بعد میں مسلم لیگ اور پاکستان کا بڑا رہنما بنا (سردار عبدالرب نشتر) وہ بھی ان کے درس میں شریک ہوتا تھا۔ پشاور کے اسلامیہ کالج کا وائس پرنسپل تیمور، مرزا بشیر الدین قادیانی کا رشتہ دار تھا۔ صاحبزادہ عبدالقیوم بانی اسلامیہ کالج کا چچازاد بھائی عبداللطیف قادیانی صوبہ سرحد کی قادیانی جماعت کا امیر تھا۔ قادیانی سال میں ایک دفعہ یوم النبی کے نام سے ایک بڑا جلسہ کرتے تھے، جس میں شرکت کے لیے تمام سرکاری افسروں کو دعوت نامے بھیجے جاتے۔ اس طرح کھلے بندوں قادیانیت کی تبلیغ کے لیے راستہ ہموار کرنے کی کوشش کی۔

جب ہم جمعیۃ علماء کے کام میں منہمک تھے تو میں نے دیکھا کہ قصہ خوانی بازار میں قادیانیوں کے اس جلسے کے اشتہارات لگ رہے ہیں، جن میں اسلامی کلب میں ''یوم النبی'' کا اعلان تھا۔ میں نے مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کیا کہ قادیانیوں کی اس کھلی جارحیت کا سد باب ہونا چاہیے۔ میں ان دنوں اسلامیہ اسکول میں عربی کا معلم اور استاد تھا۔ میں نے اسکول کی نویں اور دسویں جماعت کے طلبہ کو قادیانیت کی حقیقت بتائی اور قادیانیوں کے ''یوم النبی'' کے نام پر لوگوں کو بہکانے کی مکاری عیاں کی اور انہیں بھی اس معرکہ میں حصہ لینے کے لیے تیار کیا، جس کا نقشہ میں اور مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ بنا چکے تھے۔ مقررہ تاریخ پر قادیانیوں نے اسلامیہ کلب میں قالین بچھائے۔ اسٹیج لگایا اور جلسہ کا انتظام کرنے لگے۔ ہم دونوں بھی وہاں پہنچ گئے اور جا کر اعلان کر دیا کہ یہاں اہل اسلام کا جلسہ ہوگا۔ ہماری اور قادیانیوں کی کشمکش ہوئی، جس میں قاضی یوسف نامی قادیانی نے مجھ پر لاٹھی سے حملہ کر دیا۔ ہمارے رفقا نے اس کو پکڑ کر نیچے گرا دیا۔ جو قادیانی کرسیوں پر براجمان تھے انہیں بھی فرش پر گرا دیا۔ قادیانی ذلت و نامرادی کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب اسٹیج پر مسلمانوں کا قبضہ تھا۔ مولانا بنوری نے بڑی فصیح و بلیغ اور طویل تقریر فرمائی۔ مسلمانوں اور قادیانیوں کی کشمکش سن کر پورا شہر امڈ آیا اور خوب جلسہ ہوا۔ قادیانیوں

کو ایسی ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا کہ جب سے اب تک انہیں پشاور میں ایسا ڈھونگ رچانے کی دوبارہ جرات نہیں ہوئی۔(بینات کراچی،ص34،35)

قادیانیوں کے استیصال کے لیے مولانا مرحوم اپنی پوری ٹیم اور جمعیت کے ساتھ سرگرداں رہے اور جب تک مقدمہ جیت نہیں گئے ان کی تگ و تاز، ان کی تدبیریں، ان کی چارہ سازیاں مسلسل جاری رہیں۔ تا آں کہ اس صبح کا سورج طلوع ہوا، جس نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو نوید سرور سنائی۔ تحریک ختم نبوت کے پہلے امیر مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری سے لے کر چوتھے امیر تک یہ تحریک شباب پر رہی۔ پھر اس کے بعد یتیمی کی زندگی گزارنے لگی۔ یہ دم توڑتی تحریک تازہ وتوانا دوبارہ اس وقت ہوئی جب اس کا نیا امیر مولانا بنوری المغفور کو بنایا گیا۔ 9/اپریل 1974/کو مولانا نے یہ ذمے داری قبول کی اور صرف چند برسوں میں ہی اسے وہ مقام عطا کیا، جس کا اس دور کے علما تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ دو ماہ کے بعد ہی پاکستانی عدالت نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا۔ 30/ جون 1974/ عالم اسلام کے لیے یوم مسرت بنا اور قادیانیت کے کے لیے سوہان روح۔

یہ مسلمانان عالم کے لیے کس قدر فرحت بخش خبر تھی، اندازہ لگانا قطعاً مشکل نہیں۔ فیصلہ آیا تو علامہ کشمیریؒ تین دہائی پیش تر عالم جاودانی کو کوچ کر چکے تھے۔ وصیت کے مطابق پاکستان سے ایک وفد آیا اور ان کی مرقد پر یہ جاں فزا بشارت سنائی۔ محدث العصر علامہ یوسف بنوریؒ کے لیے یہ کامیابی دوآتشہ بن چکی تھی، جس کا وہ برملا اظہار کرنے لگے۔ فخر المحدثین حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

> ''قادیانیوں کے کفر کا جب حکومتی سطح پر فیصلہ ہوا تو مولانا نے تقریر میں فرمایا کہ قادیانیت کے خلاف الف سے ہنگامہ شروع ہوا اور آج ''ی'' پر ختم ہو گیا، یعنی انور شاہ نے موثر مخالفت کا محاذ بنایا اور یوسف پر اس کا اختتام ہوا۔ لاریب کہ یہ تاریخی جملہ تھا جو ان کی زبان پر آیا۔''(لالہ وگل،ص163)

امام العصر علامہ کشمیری سے ارادت و تعلق

مولانا مرحوم کو سب سے زیادہ تعلق اکابر دیو بند میں سے اگر کسی سے تھا تو وہ الامام الکشمیریؒ تھے۔ طالب علمی کے دور سے یہ رشتہ قائم ہوا تو زندگی کی آخری سانس تک یہ عقیدت و محبت رخصت نہ ہوئی، بلکہ ہمیشہ توانا اور رعنائیوں سے آباد۔ تعلق کیسے قائم ہوا، اس کی داستان آپ پچھلی سطور میں پڑھ آئے ہیں۔ شاہ صاحب کے علوم کی ترویج و اشاعت زیادہ تر انہیں کے ذریعے ہوئی۔ حضرت مولانا حبیب اللہ مختار صاحب علامہ کشمیریؒ سے ان کے والہانہ تعلق کی روداد سناتے ہوئے لکھتے ہیں:

''امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ آپ کے خصوصی اور سب سے بڑے شیخ ہیں۔ ہمارے شیخ رحمہ اللہ اپنے شیخ کے سچے عاشق اور محب صادق تھے۔ ان کی ایک ایک ادا کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔ ان کی محبت سے اخر دم تک سرشار رہے اور کسی نہ کسی مناسبت سے اس انداز سے ان کا خیر فرماتے کہ معلوم ہوتا کہ ابھی اپنے شیخ سے مل کر آ رہے ہیں۔ ان کے ملفوظات ایسے محفوظ کر رکھے تھے کہ ہو بہو انہی الفاظ میں بیان کرنے کے بعد فرمایا کرتے تھے: و اللہ هذا لفظه و اللہ هذا لفظه۔ ان کے ذکر خیر کے وقت ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا ہر بن مو سے اظہار تشکر و امتنان اور ہر لفظ و حرف سے محبت و عقیدت کا چشمہ ابل رہا ہے۔ آپ نے امام العصر رحمۃ اللہ علیہ سے ہی اعلیٰ تعلیم کے مراحل طے کیے اور سب سے زیادہ فیض اٹھایا۔ سفر و حضر میں ان کے خادم اور ایک سال سے زیادہ عرصہ تک شب و روز ہمہ دم ان کے رفیق رہے۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی جاں فشانی، لگن، محبت، عقیدت و خدمت کو دیکھ کر اتنا اثر لیا کہ آپ کو اپنے ساتھ ملحق کر لیا۔ اور ضرب الخاتم کے حوالے اسفار اربعہ سے نکالنے کا کام سپرد کیا اور اس سلسلے میں محنت و بلند ہمتی کو دیکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ جو آپ کر رہے ہیں اگر سیف اللہ شاہ دو گھنٹے کرے تو چیخ اٹھے۔ اور واقعی حقیقت بھی یہی تھی آپ 24 / گھنٹے میں دو ڈھائی گھنٹے آرام کرتے اور بقیہ سارا وقت اپنے شیخ کی خدمت میں صرف کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس خدمت کا صلہ یہ دیا کہ آپ کو بھی اپنے شیخ کے رنگ میں رنگ دیا اور بے نظیر محدث، بے بدل عالم، جلیل القدر محقق، بلند پایہ فقیہ، اعلیٰ درجے کا مفسر، اونچے درجے کا ادیب و شاعر بنا دیا۔'' (ماہنامہ بینات، بیادِ محدث بنوری، ص 54)

علوم انوری کے سب سے بڑے محافظ، شارح و ترجمان

مولانا بنوری کے مفاخر میں سے یہ بھی ہے کہ علامہ کشمیریؒ ان سے علمی کاموں میں تعاون لیتے جیسا کہ ابھی عرض ہوا۔ علامہ کا کسی کو اپنے قریب کر لینا اور ان سے علمی تعاون لینا بہت بڑا اعزاز ہے۔ علامہ مرحوم سے یہی عقیدت مندانہ وابستگی تھی کہ حدیث اور علم حدیث کا انہیں چسکا لگ گیا۔ مولانا کے کارنامے بے مثال ہیں اور تقریباً ہر میدان میں، مگر علم حدیث میں ان کا مقام سب سے زیادہ بلند ہے۔ مقام کی یہ رفعت علامہ مرحوم کے اعتماد کی مرہون منت ہے۔ بلاد عرب میں ان کی شہرت اسی حوالے سے ہوئی۔

مولانا مرحوم جب ڈابھیل مدرس ہوئے تو ادارے کی مجلس علمی نے العرف الشذی کی تحقیق و تخریج کا کام ان کے حوالے کیا۔ اس کتاب کی تخریج میں انہیں کتنے پاپڑ بیلنے پڑے۔ مولانا لطف اللہ پشاوری

صاحبؒ کے قلم سے سنئے:

”مولانا فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک حوالے کے لیے بسا اوقات مجھے سیکڑوں صفحات کا مطالعہ کرنا پڑتا تھا اور ان کی دو مثالیں پیش فرماتے تھے:

(1) حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کسی موقع پر متعارض روایات کی تطبیق بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اس قبیل سے ہے کہ ہر راوی نے وہ بات ذکر کر دی جو دوسرے نے ذکر نہیں کی۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ بڑا اہم قاعدہ ہے، مگر افسوس کہ مصطلح الحدیث کے مدونین نے اسے ذکر نہیں کیا۔ البتہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں کئی جگہ اس قاعدے سے تعرض کیا ہے۔ مولانا فرماتے تھے کہ میں نے ان مقامات کو تلاش کرنے کے لیے پوری فتح الباری کا مطالعہ کیا، تب معلوم ہوا کہ حافظ نے پوری کتاب میں 10 / سے زیادہ جگہوں پر اس قاعدے سے تعرض کیا ہے۔

(2) حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اختلاف صحابہ پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ ابوزید دبوسی نے بالکل صحیح فرمایا کہ جب کسی مسئلے میں صحابہ کا اختلاف ہو تو وہاں منشائے اختلاف کا معلوم کرنا اور اس نزاع کا فیصلہ چکانا بڑا دشوار ہے۔ مولانا فرماتے تھے کہ اس حوالے کی تلاش کے لیے میں دبوسی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تاسیس النظر پوری پڑھی، مگر یہ حوالہ وہاں نہیں ملا۔ خیال آیا کہ یہ حوالہ دبوسی کی دو کتابوں اسراف الخلاف یا تقویم الادلہ میں ہوگا، مگر وہ دونوں غیر مطبوع تھیں اور میرے پاس موجود نہیں تھی۔ پھر خیال آیا کہ یہ حوالہ بالواسطہ ہوگا یا تو شیخ عبدالعزیز بخاری کی کتاب کشف الاسرار کے حوالے سے ہوگا یا ابن امیر حاج کی شرح التحریر کے واسطے سے، چنانچہ ان دونوں کتابوں کا بہت سا حصہ مطالعہ کرنے کے بعد دونوں میں یہ حوالہ مل گیا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت مولانا کو اس تخریج میں کتابوں کی کس قدر ورق گردانی کرنا پڑی اور اس کے لیے اپنی کتنی صلاحیتیں وقف کرنا پڑیں۔“ (بینات ص:36 / 37)

مولانا کے علمی اسفار

مجلس علمی ڈابھیل نے جب انہیں ذمے داری دی تو علومِ انوری کی اشاعت بڑے پیمانے پر کی۔ اس کے لئے مصر اور دیگر اسلامی ممالک کے پیہم اسفار کئے۔ فیض الباری، نصب الرایہ اور کئی اہم کتابیں مصر سے شائع کرائیں۔

مولانا کی تصنیفات

محدث العصر المغفور کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے، جسے اس مختصر مضمون میں سمیٹنا ناممکن ہے۔ ان کے ساتھ ہی وہ قدآور مصنف بھی تھے۔ ان کی تمام تصنیفات قدر کی نگاہ سے دیکھی گئیں۔ چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

نفحۃ العنبر ، جو امام العصر علامہ کشمیری کی حیات وخدمات پر لکھی گئی۔ معرف السنن جو ترمذی شریف کی عربی شرح ہے۔ بغیۃ الاریب فی مسائل القبلۃ والمحاریب، یتیمۃ البیان فی شی من علوم القران زیادہ مشہور ہیں۔ ایک درجن سے زائد کتابوں پر انہوں نے وقیع مقدمات بھی لکھے، جنہیں اہل علم وفن نے خراج تحسین پیش کیا۔ وہ مقدمات الگ سے کتابی شکل میں بھی چھپ چکے ہیں۔

سفر آخرت

مولانا جب تک حیات رہے مرجع خلائق بن کر رہے۔ عالمی مقبولیت ومحبوبیت ان کے حصے میں آئی۔ افسوس کہ 13 / ذی قعدہ 1397ھ مطابق 7 / اکتوبر 1977 کو علم حدیث کا یہ افتاب غروب اور علوم انوری کا یہ وارث ابدی نیند سو گیا۔ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے ویب سائٹ پر ان کی وفات کا مختصر حال اس طرح لکھا ہے:

حضرت بنوری رحمہ اللہ اپنے ضعف اور پیرانہ سالی کے باوجود 13 اکتوبر 1977ء کو اسلامی مشاورتی کونسل کے ایک اہم اجلاس میں شرکت کے لیے اسلام آباد تشریف لے گئے، وہاں طبیعت کے ناساز ہونے پر آپ کو فوراً سی ایم ایچ ہسپتال لے جایا گیا، دو دن ہسپتال میں رہنے کے دوران بروز سوموار سہ پہر کے قریب کلمہ طیبہ پڑھا اور وہاں پر موجود تیمارداروں کو سلام کرنے کے بعد قبلہ رو ہو کر اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی میت کراچی لائی گئی، جہاں ہزاروں کی تعداد میں علماء، متوسلین، طلبہ اور عوام الناس نے جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے احاطہ میں عارف باللہ حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحئی عارفی رحمہ اللہ کی امامت میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی اور جامعہ ہی کے احاطہ میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

میٹاورس اور ہماری شرعی ذمہ داری

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی

آپ کی والدہ کھانا پکا رہی ہیں اور آپ سے کہتی ہیں کہ دکان سے ہرا دھنیا لے کر آجاؤ۔ آپ ایک بڑے شاپنگ مال میں سبزی کی دکان پر اس مخصوص جگہ پر جائیں گے جہاں پر سبزیاں وغیرہ رکھی ہیں۔ پھر کافی ساری ہرے دھنیے کی گڈیوں میں سے آپ ایک تروتازہ ہرے دھنیے کی گڈی نکالیں گے، اس کو الٹ پلٹ کر دیکھیں گے، سونگھیں گے اور پھر جس ہرے دھنیے کی گڈی میں سے خوشبو آرہی ہو اور تروتازہ ہو اس کو خریدنے کے لئے اٹھالیں گے۔ اب یہی دکان اگر انٹرنیٹ پر موجود ہے اور وہاں سے آپ نے ہرے دھنیے کی گڈی لینی ہے تو دکان کی ویب سائٹ پر آپ ہرے دھنیے کو سرچ کریں گے، پھر وہاں پر آپ کو ہرے دھنیے کی گڈی کی تصویر نظر آئے گی، آپ اس کو دیکھ کر آڈر کر دیں گے۔ مگر اس صورت میں آپ کو وہ احساس یا تجربہ حاصل نہیں ہوا جو کہ آپ کو خود دکان پر جا کر حاصل ہوتا یعنی آپ ہرے دھنیے کی گڈی کو سونگھتے، اس کی تازگی کو چیک کرتے اور پھر خریدتے۔ نیز آن لائن ویب سائٹ سے ہرے دھنیے کی گڈی آڈر کرنے پر آپ کو دکان دار کی منتخب کردہ ہرے دھنیے کی گڈی پر ہی انحصار کرنا پڑے گا۔ پھر جب دکان دار آپ کے گھر پر وہ ہرے دھنیے کی گڈی پہنچائے گا تو آپ اس کی تازگی اور خوشبو کو دیکھتے ہوئے پسند نہ آنے پر واپس بھی کر سکتے ہیں۔

سبزی بیچنے والا دکاندار اگر اس سارے عمل میں یعنی اپنی ویب سائٹ پر تھوڑی جدّت لانا چاہے تو ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ دکان دار جتنی بھی ہرے دھنیے کی گڈیاں ہیں ان سب کی تصاویر اپنی دکان کی ویب سائٹ پر روزانہ صبح سویرے لگائے اور پھر صارف اس میں سے کوئی ہرے دھنیے کی گڈی منتخب کرے اور پھر وہ دکان دار اس ہرے دھنیے کی گڈی کو بیچنے کے بعد وہ تصویر وہاں سے ہٹا دے اور آپ کو بعینہٖ وہی گڈی لا کر دے جس کو آپ نے ویب سائٹ پر تصویر کے ذریعے منتخب کیا تھا۔ اب اس خرید و فرخت میں تھوڑی جدّت تو آ گئی مگر پھر بھی آپ وہ احساس یا تجربہ حاصل نہیں کر سکے جو کہ خود سبزی کی

دکان پر جا کر حاصل ہوتا۔ نیز اس صورت میں آپ کو صرف ہرے دھنیے کی گڈی کی تصویر کا ایک رخ ہی نظر آیا یعنی دو جہتی یا ٹو ڈائی مینشل تصویر ہی دیکھ سکے اور خوشبو بھی نہ سونگھ سکے۔

اب دکان دار اپنی ویب سائٹ پر مزید جدّت لے کر آتا ہے اور اب وہ دکان میں موجود تمام ہرے دھنیے کی گڈیوں کی تھری ڈی تصویر رکھتا ہے کہ جس کے ذریعے سے آپ ہرے دھنیے کی گڈی کو ہر زاویہ یعنی ۳۶۰ ڈگری کے زاویے سے دیکھ سکتے ہیں اور پھر اپنی مطلوبہ ہرے دھنیے کی گڈی کا انتخاب کر سکتے ہیں، مگر پھر بھی اس میں وہ احساس اور تجربہ حاصل نہ ہوگا جو کہ حقیقی طور پر دکان جا کر حاصل ہوتا۔ خیر دکان دار اپنی ویب سائٹ پر مزید جدّت لے کر آتا ہے اور اب تھری ڈی تصاویر کے بجائے وہ تمام ہرے دھنیے کی گڈیوں کی دومنٹ کی ویڈیو بنا کر ویب سائٹ پر رکھتا ہے۔ اس طرح سے آپ کے سامنے ہر ہرے دھنیے کی گڈی کی صحیح صورت حال واضح ہو جائے گی اور آپ بلا جھجک اپنی معیار کی ہرے دھنیے کی گڈی منتخب کر سکتے ہیں۔ مگر اب بھی وہ احساس اور تجربہ صارف کو حاصل نہ ہوگا جو کہ حقیقی طور پر دکان میں جا کر ہرے دھنیے کی گڈی لینے میں ہے۔

خیر اب دکان دار سینسر Sensors کا استعمال کرتے ہوئے انفرادی طور پر ہر ہرے دھنیے کی گڈی کی خوشبو کو ریکارڈ کرتا ہے اور ویب سائٹ پر اس ہرے دھنیے کی گڈی کی ویڈیو کے ساتھ اس خوشبو کا کوڈ بھی رکھ دیتا ہے۔ جب بحیثیتِ صارف آپ ویب سائٹ پر جاتے ہیں اور آپ اس ہرے دھنیے کی گڈی کی ویڈیو دیکھتے ہیں اور اس کوڈ کو استعمال کرتے ہوئے خوشبو سونگھنے کی کوشش کرتے ہیں تو آپ کو وہ خوشبو نہیں سنگھائی دے گی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خوشبو کا کوڈ تو ویب سائٹ پر موجود ہے اور خوشبو ایک احساس ہے اور حسّی طور پر آپ اس کو سونگھ سکتے ہیں مگر وہ آپ تک حقیقی طور پر کمپیوٹر کے ذریعے منتقل تو نہ ہوگی۔ اس مسئلہ کا حل نکالنے کے لئے وہ دکاندار اپنی ویب سائٹ پر یہ نوٹس لکھتا ہے کہ اگر آپ کو حقیقی تر احساس حاصل کرنا ہے تو آپ کے پاس جدید آلات ہونے چاہییں اور مختلف خوشبوں کا ایک پوری سلیکشن ہونی چاہئے جو کہ آپ کے کمرے میں آپ کے کمپیوٹر کے ساتھ منسلک ہوں۔ پھر جب ویب سائٹ پر وہ کوڈ آپ استعمال کریں تو آپ کے کمرے میں آپ کے کمپیوٹر کے پاس رکھی ہوئی خوشبوں میں سے وہ خوشبو سلیکٹ کرے اور پھر آپ کے کمرے کی فضا وہی خوشبو سے معطر ہوگی جو کہ اس کوڈ میں لکھی ہے اور پھر دکان سے دور بیٹھے آپ اس خوشبو کو اپنے کمرے میں سونگھ سکیں گے۔ یعنی آسان الفاظ میں آپ اس ویب سائٹ پر گئے، ہرے دھنیے کی گڈی پر جیسے ہی آپ نے کلک کیا، ایک لائیو اسٹریم ویڈیو چل پڑی جس میں اس ہرے دھنیے کی گڈی کی لائیو یا براہ راست ویڈیو چلائی گی اور ساتھ ہی آپ کے کمرے میں وہی خوشبو مہک گئی جو کہ اس ہرے

دھنیے کی تھی اوراس کے لئے نہایت ہی اعلیٰ قسم کے کمپیوٹر پروگرامز کا سینسر کے ساتھ استعمال کیا گیا۔

جی ہاں یہ ممکن ہے اور کچھ سالوں پہلے ایسی پروڈکٹ بازار میں لانچ بھی ہوچکی ہیں جیسے Aroma Scente Machina, oPhone,IoT وغیرہ جن کی مدد سے آپ اپنے موبائل فون سے مختلف اقسام کی خوشبوؤں کی مہک کو بطور میسیج کے بھی بھیج سکتے ہیں۔مثلاً آپ نے ایک دوست کو میسج بھیجا اور ساتھ میں گلاب کے پھول کی خوشبو بھی بھیجی تو جیسے ہی وہ میسیج آپ کے دوست کے موبائل پر موصول ہوگا اس کے موبائل سے منسلک پہلے ہی موجود خوشبوں کے مجموعے میں سے وہ خوشبو مہکنا شروع ہوجائے گی جس کی آپ نے اپنے میسیج میں نشاندہی کی ہے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ آپ میسیج کے ذریعے حسّی طور پر خوشبو منتقل نہیں کررہے بلکہ آپ گلاب کے پھول کی خوشبو کا ایک کوڈ اپنے میسیج کے ذریعے منتقل کررہے ہیں اور جیسے ہی وہ کوڈ دوسرے موبائل پر موصول ہوگا، اُس موبائل کے ساتھ الیکٹرونک سرکٹ موبائل کے ساتھ منسلک خوشبوں میں سے ایک خوشبو مہکانا شروع کردے گا۔ نیز اسی طریقے کے ذریعے آپ اپنے کمرے میں میلوں دور بیٹھے مختلف خوشبوں کو مہکا بھی سکتے ہیں اوراس کے لئے چیزوں کا انٹرنیٹ یعنی Internet of Things کا استعمال کرسکتے ہیں۔اب تو اس میں اتنی ترقی ہوگئی ہے کہ انڈرگریجویٹ کے طلباء اس طرح کے پروجیکٹ کرتے ہیں جن کے ذریعے سے محسوسات ، خوشبو وغیرہ کو منتقل (مجازی طور پر) کیا جاسکتا ہو اور ٹیکنالوجی کا استعمال کرتے ہوئے بالکل اصل حقیقت کے قریب جایا جاسکے۔مثلاً موبائل فون کے ذریعے سے آپ کسی دوسرے ملک میں رہتے ہوئے اپنے گھر کی لائٹوں کو کھول بند کرسکتے ہیں، پانی کی موٹر کو چلا سکتے ہیں، آپ کے گھر میں کون کون سے آلات کتنی بجلی خرچ کررہے ہیں یہ آپ منٹوں کے حساب سے دیکھ سکتے ہیں اوران آلات کو کھول بند کرتے ہوئے بجلی کی بچت کرسکتے ہیں۔

مستقبل کے لئے کمپیوٹر سائنسدانوں نے یہ سوچا ہے کہ ایک ورچول، ڈیجیٹل یا تخیلاتی دنیا ہوگی، جس میں ہر چیز ورچول ذریعے سے انٹرنیٹ پر ظاہر کی جائے گی اوراس کو میٹاورس کا نام دیا ہے۔ میٹاورس Metaverse بنیادی طور پر ایک ڈیجیٹل تخیلاتی تھری ڈی دنیا یعنی ورچول دنیا کا نام ہے۔آپ میں سے اگر کسی کو کمپیوٹر گیمز کھیلنے کا اتفاق ہوا ہو تو آپ کے علم میں ہوگا کہ اس کے اندر کچھ ڈیجیٹل کردار بنائے جاتے ہیں اور گیم کے اندر کے ماحول کو بالکل اصل زندگی کی مطابق ڈھالا جاتا ہے۔ جو کمپیوٹر گیم جتنا زیادہ حقیقی زندگی اور کرداروں سے مشابہت اختیار کرے گا وہ اتنا ہی اچھا گیم تصور کیا جائے گا۔اب اس گیم کی ورچول دنیا کو اگر ہم اعلیٰ قسم کے سائنسی آلات کے ساتھ جوڑ کر اس کو حقیقی دنیا سے جوڑیں تو یہ میٹاورس بن جاتا ہے اوراس کے لئے کافی ساری ٹیکنالوجیز کا استعمال کیا جاتا ہے جن میں ورچول رئیلیٹی ، آگمنٹڈ رئیلیٹی ، سینسر ،

ٹیکٹائل انٹرنیٹ، ایکسٹینڈڈ ریلیٹی ،مصنوعی ذہانت، ٹیلی کمیونیکیشن ،ڈیجیٹل ٹوئن، بلاک چین وغیرہ شامل ہیں۔

اوپر دی گئی مثال کے اندر میٹاورس کے تناظر میں یہ ہوگا کہ ایک انٹرنیٹ پر ورچول دنیا ہوگی اور اس ورچول دنیا میں ملک،شہر،سڑکیں،مکان، گاڑیاں، چوراہے، انسانی کردار جنہیں آواتار Avatar بھی کہا جاتا ہے موجود ہوں گے یعنی اصلی دنیا کی ہوبہو ایک نقل بنائی جائے گی۔یعنی ابھی ہم شاپنگ کے لئے شاپنگ سینٹرز میں حسّی طور پر یا جسمانی طور پر جاتے ہیں۔ٹیکنالوجی جس طرف جا رہی ہے اس میں ہم شاپنگ سینٹرز میں جائیں گے مگر ورچول شاپنگ سینٹرز کے اندر،یعنی انٹرنیٹ پر خرید وفروخت آہستہ آہستہ ورچول ورلڈ یا میٹاورس کی طرف چلی جائے گی۔آپ کے ورچول آواتار ہوں گے جو کہ دوسرے آواتار وں کے ساتھ تعامل کریں گے اور اس ٹیکنالوجی کے اندر مصنوعی ذہانت کا استعمال بھی بہت عام ہوگا۔اور میٹاورس پر جو خرید وفروخت ہوگی وہ کرپٹوکرنسی سے ہوگی، اور این ایف ٹی کی مدد سے ڈیجیٹل اثاثوں کو محفوظ بنایا جائے گا اور ان کی خرید وفروخت کا ریکارڈ رکھا جائے گا۔اب وہ سبزی بیچنے والا بجائے اس کہ کہ اپنی ویب سائٹ بنائے، اب ورچول دنیا یعنی میٹاورس میں اس کی باقاعدہ ایک ورچول سبزی کی دکان ہوگی اور وہ دکان ویسی ہی ہوگی جیسی کی اصلی ہو یعنی اس میں مختلف سبزیاں رکھی ہوئی نظر آرہی ہوں گی۔اب صارف کا ورچول کردار یعنی آواتار روڈ پر چلتا ہوا اس دکان میں داخل ہوگا اور اس جگہ پر جائے گا جہاں پر ہرا دھنیا رکھا ہوا ہوگا اور اس کو اٹھا کر وہ نہ صرف یہ کہ دیکھ سکے گا بلکہ اس کی خوشبو بھی سونگھ سکے گا اور پھر وہ اپنی پسند کا تازہ ہرا دھنیا آڈر کردے گا۔پھر وہ دکان دار اس کے گھر پر وہ اصلی ہرے دھنیے کی گڈی پہنچا دے گا۔

میٹاورس کو استعمال کرتے ہوئے کمپیوٹر سائنسدانوں کا ویژن یہ ہے کہ ورچول دنیا کو اصلی دنیا کے ساتھ جوڑا جائے اور انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں کو وہ حقیقی احساس اور تجربہ دلایا جائے جو کہ ہم حقیقی اور اصلی دنیا میں محسوس کرتے ہیں۔یعنی ورچول دنیا میں حواس خمسہ بھی انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں کو کسی حد تک محسوس ہوں گے اور اس کے لئے مختلف آلات جیسے VR HeadsetMeta Quest 2 کا استعمال ہوگا جو کہ اس وقت تقریباً ساڑھے چار سو امریکی ڈالر یعنی تقریباً ایک لاکھ پاکستانی روپے میں مل رہا ہے۔گو کہ اس وقت یہ زیادہ تر کمپیوٹر گیم میں استعمال ہو رہا ہے مگر کمپیوٹر سائنسدانوں کا ویژن اس سے کہیں آگے کا ہے۔مثلاً اگر میٹاورس میں کسی نے آپ کو مکا مارا تو آپ کو مکے لگنے کا احساس ہوگا اور اگر کوئی ڈاکٹر ریموٹ سرجری کرے تو اس کو ایسا محسوس ہوگا کہ وہ اصلی مریض کی سرجری کر رہا ہے۔

سائنسی طور پر میٹاورس کے تناظر میں ابھی بھی بہت کام کی ضرورت ہے اور بہت سارے سائنسی سوالات کے جوابات دینا باقی ہیں۔دنیا بھر کے کمپیوٹر سائنسدان مختلف جہتوں سے اس میٹاورس ٹیکنالوجی

پر کام کر رہے ہیں کہ ورچول تخیلاتی دنیا کو حقیقی دنیا کے ساتھ جوڑا جائے اور اس میں ڈیجیٹل ٹوئن اور سائبر فیزیکل سسٹم ٹیکنالوجیز بھی شامل ہیں۔ اسی میٹاورس ٹیکنالوجی کو لیتے ہوئے بڑے بڑے سرمایہ دار پیسے بنانے لگ گئے ہیں۔ مثلاً میٹاورس میں استعمال ہونے والے کپڑے، جوتے، ڈیجیٹل زمین، بندوقیں، اور دیگر ڈیجیٹل اثاثوں کی خرید وفرخت شروع ہوگئی ہے اور یہ سارے ڈیجیٹل اثاثے محض ورچول تخیلاتی اور ڈیجیٹل طور پر موجود ہیں اور یہ ڈیجیٹل اثاثے اصلی اور حقیقی دنیا کے اثاثوں، کرداروں اور چیزوں کی نمائندگی نہیں کرتے۔ اسی طرح مختلف کمپنیاں اپنی اپنی مصنوعات کا ڈیجیٹل ورژن میٹاورس کے لئے بنا رہی ہیں۔ مثلاً کپڑے اور جوتوں کی مشہور کمپنیاں ڈیجیٹل کپڑے اور جوتے میٹاورس کے لئے بنا رہی ہیں۔ نیز میٹا ورس پر ڈیجیٹل زمین کی خرید وفروخت ہو رہی ہے اور ایک ہی زمین کے اثاثے کو مختلف کمپنیاں این ایف ٹی بنا کر بیچ رہی ہیں اور ان کی قیمت لاکھوں بلکہ کروڑوں روپے تک پہنچ گئی ہے۔ اس سارے عمل سے سائنسی دنیا میں بھی کئی سوالات جنم لینے لگ گئے ہیں مثلاً ایک ہی شخصیت کے مختلف کردار اگر ورچول دنیا میں بنائے جائیں گے تو پرائیوسی کا خیال کس طریقے سے رکھا جائے گا؟ نیز کون اس ساری ورچول دنیا کو کنٹرول کرے گا؟ ان ورچول ڈیجیٹل اثاثوں کی حقیقی دنیا میں کیا حیثیت ہے جبکہ وہ حقیقی اثاثوں کی نمائندگی نہ کرتی ہوں۔ میٹاورس پر تعامل کرنے کے لئے ہمیں بنیادی طور پر دو چیزیں اچھی طرح سمجھنی ہوں گا۔ پہلی اہم بات تو یہ کہ جیسا کہ ہم نے مندرجہ بالا مثال میں بتایا کہ کوئی صارف کس طریقے سے میٹاورس کا استعمال کرتے ہوئے ہرے دھنیے کی گڈی کو انٹرنیٹ سے خرید سکتا ہے اور اس کو یہ خریداری کرتے وقت اصلی اور حقیقی دنیا کے قریب لایا جا رہا ہے اور اس کو وہی احساس اور تجربہ دیا جا رہا ہے جو کہ حقیقی دنیا میں خریداری کے وقت ہوتا ہے تاکہ صارف بہتر طریقے سے خریداری کر سکے۔ نیز اس مثال میں بالکل واضح ہے کہ میٹاورس میں ڈالا گیا ڈیجیٹل اثاثہ (ہرے دھنیے کی تصویر یا ویڈیو) حقیقی دنیا کے اثاثے یعنی اصلی ہرے دھنیے کی نمائندگی کرتی ہے اور یہ اسی صورت کے مشابہ ہے جس میں صارف ویب سائٹ سے خریداری کرتا ہے۔ اب اس صورت میں مفتیانِ کرام یہ ارشاد فرماتے ہیں اس طرح کی بیع وشراء (خرید وفروخت) اس صورت میں جائز ہوگی اگر شریعتِ مطہرہ کے متعین کردہ بیع وشراء کے اصولوں کو مدِ نظر رکھا جائے۔ یعنی بیع درست ہونے کے لئے مجموعی طور پر سات شرائط ہیں جو بیع کے منعقد اور صحیح ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ پہلی شرط: مبیع یعنی بیچی جانے والی چیز مال ہو، دوسری شرط: مبیع مُتَقَوَّم ہو، تیسری شرط: مبیع موجود ہو، چوتھی شرط: مبیع مملوک ہو، پانچویں شرط: مبیع مقدور التسلم ہو، چھٹی شرط: مبیع معلوم ہو، ساتویں شرط: مبیع بائع کے قبضے میں ہو۔ (حوالہ: فقہ البیوع، اسلام کا نظامِ خرید وفروخت، جلد ا)

اہم بات یہ ہے کہ ہم نے صرف مبیع یعنی بیچی جانے والی چیز کی شرائط ذکر کی ہیں اوراس کے علاوہ بھی شریعتِ مطہرہ میں بیع وشراء کے حوالے سے کئی شرائط موجود ہیں مثلاً بیع کی حقیقت اوراس کے منعقد ہونے کی شکلیں جن میں ایجاب وقبول کے احکام، عاقدین سے متعلق احکام، مبیع وثمن سے متعلق احکام، صلبِ عقد سے متعلق شرائط وغیرہ شامل ہیں، جن پر عمل کرنا بیع وشراء کے لئے ضروری ہے اور مزید تفصیلات حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی کتاب فقہ البیوع اسلام کا نظامِ خرید وفروخت میں دیکھی جاسکتی ہیں۔اب ہم مثالوں کے ذریعے سے سمجھتے ہیں کہ مفتیانِ کرام کے مطابق کن صورتوں میں میٹاورس پر خرید وفروخت جائز نہ ہوگی۔ یہ صرف کچھ صورتیں ہیں، ہم قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ مزید تفصیلات کے لئے مستند مفتیانِ کرام اور دارالافتاء سے رجوع کریں۔

مثال نمبر ۱: میٹاورس پر ایک ورچول دکان پر ہرے دھنیے کی گڈی کی تصویر موجود تھی جو کہ اصلی ہرے دھنیے کی نمائندگی کرتی تھی۔اب کوئی شخص اس ہرے دھنیے کی تصویر کو خرید لے مگر بیع مکمل نہ ہوئی ہو یعنی خریدار کا اصلی ہرے دھنیے کی گڈی پر ملکیت اور قبضہ مکمل نہ ہوا ہو تو اس ڈیجیٹل اثاثے یعنی ہرے دھنیے کی گڈی کو (یعنی ڈیجیٹل اثاثے کو) آگے فروخت نہیں کیا جاسکتا اور شریعت میں اس طرح کی خرید وفروخت باطل قرار پائے گی۔

مثال نمبر ۲: میٹاورس پر ایک ورچول دکان پر ہرے دھنیے کی گڈی کی تصویر موجود تھی جو کہ اصلی ہرے دھنیے کی نمائندگی کرتی تھی۔اب کوئی شخص اس ہرے دھنیے کی تصویر کو خرید لے اور خریدنے کے لئے کرپٹوکرنسی کا استعمال کرے (جو کہ میٹاورس پر خریداری کے لئے کسی حد تک لازمی ہے) تو اس صورت میں چونکہ کرپٹوکرنسی شرعی طور پر سرے سے مال ہی نہیں اس لئے وہ ثمن نہیں بن سکتا لہذا اس صورت میں بھی بیع باطل قرار پائے گی۔یعنی خلاصہ یہ ہوا کہ ڈیجیٹل اثاثوں کی خرید وفروخت میں، اگرچہ وہ حقیقی اثاثوں کی نمائندگی کرتے ہوں، شرعی طور پر بیع وشراء کی تمام شرائط کو پورا کیا جائے گا تب کہیں جا کر اس طرح کی بیع و شراء کی مفتیانِ کرام شریعت کے اصولوں کے مطابق اجازت دیں گے۔

دوسری اہم بات جس کی طرف ہمیں خصوصی توجہ کی ضرورت ہے وہ یہ صورت ہے جس میں ڈیجیٹل اثاثے حقیقی اور اصلی دنیا کے اثاثوں کی نمائندگی نہ کرتے ہوں یعنی بس میٹاورس پر وہ ڈیجیٹل اور ورچول طور پر موجود ہوں اور یہی وہ صورت ہے جو کہ میٹاورس میں تقریباً استعمال ہو رہی ہے جو کہ سائنسدانوں کے اس ویژن سے یکسر مختلف ہے جو کہ اوپر ذکر کیا گیا۔یعنی ہرے دھنیے کی مثال کے تناظر میں سبزی کی ورچول دکان میں ہرے دھنیے کی گڈی موجود ہو مگر حقیقی دنیا میں وہ اصلی ہرے دھنیے کی نمائندگی نہ کرتی ہو۔

لہذا اس صورت میں اگر کوئی خریدار آ کر اس طرح کی ہرے دھنیے کی تصویر (جو کہ ایک این ایف ٹی ہوگا اور ایتھریم کی بلاک چین پر بنایا گیا ہوگا) کو خریدتا ہے تو اس طرح کی خرید وفروخت میں شرعی طور پر کئی شرائط کو پورا نہیں کیا گیا۔ یعنی راقم کو یہ کہتے ہوئے کوئی جھجک محسوس نہیں ہو رہی کہ اس مثال کے تناظر میں بیع و شراء کی شرعی شرائط سرے سے پوری ہی نہیں ہو رہیں۔ خیر، اول تو یہ کہ یہ معدوم کی بیع ہے، دوسرا یہ کہ یہ ہرے دھنیے کی تصویر شرعی طور پر مال کے زمرے میں نہیں آتی۔ خلاصہ یہ کے اس ہرے دھنیے کی بیع کسی صورت شریعتِ مطہرہ میں جائز نہیں ہو سکتی۔ مروجہ میٹاورس میں بس اسی طرح کی بیع وشراء ہو رہی ہے۔

آپ حیران ہوں گے کہ اگر آپ صرف کسی مارکیٹ پلیس پر چلے جائیں مثلاً Open Sea تو وہاں پر لاکھوں بلکہ کڑوروں پاکستانی روپے کی مالیت کے ڈیجیٹل اثاثوں جن میں ڈیجیٹل کپڑے، ڈیجیٹل جوتے، ٹوپی، ہتھیار، ڈیجیٹل زمین وغیرہ شامل ہیں وہ خرید وفروخت کے لئے موجود ہیں اور لوگ جوق در جوق نہ صرف یہ کہ ان ڈیجیٹل اثاثوں کی تجارت کر رہے ہیں بلکہ اس سے بہت زیادہ منافع بھی کما رہے ہیں اور حقیقی طور پر یہ ڈیجیٹل اثاثے محض فرضی اور تخیلاتی طور پر موجود ہیں جن کو میٹاورس پر استعمال کیا جارہا ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہم نے اپنی دی گئی مثال میں میٹاورس کو ایک پورا افسانہ بنا دیا ہے اور اس افسانے میں ایک شخص کو میٹاورس پر ہرے دھنیے کی گڈی خریدتے ہوئے دکھایا ہے اور پھر میٹاورس پر خریدی گئی ورچوئل ہرے دھنیے کا حقیقی دنیا کی ہرے دھنیے کی گڈی پر مطالبہ بھی کیا جارہا ہے تو یہ دنیا میں کہاں ہوتا ہے اور کون اسے عقلاً درست سمجھتا ہے یا میٹاورس پر اس خریداری کا یہ مطلب ہوتا ہے؟ دیکھیے سب سے پہلے تو یہ سمجھیے کہ اس طرح کی ورچوئل ہرے دھنیے کا حقیقی دنیا کی ہرے دھنیے کی گڈی پر مطالبہ کرنا بالکل صحیح نہیں اور کوئی بھی اس کو عقلاً درست نہیں سمجھتا (جس کو ہم نے دوسری اہم بات میں واضح کیا ہے) نیز اگر یہ میٹاورس پر ہرے دھنیے کی گڈی اصلی دنیا کی ہرے دھنیے کی گڈی کی نمائندگی نہیں کرتی تو پھر کیا یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ میٹاورس پر کس ہرے دھنیے کی گڈی کی خرید وفروخت ہو رہی ہے؟ ڈیجیٹل فرضی اور تخیلاتی ہرے دھنیے کی؟ بس سمجھ جائیے کہ جو حضرات اس طرح کی ورچوئل اثاثوں، کرپٹو کرنسی اور میٹاورس پر خرید وفروخت کو جائز قرار دے رہے ہیں ان کو سائنسی طور پر سخت مغالطہ ہوا ہے اور ان کو اس کی سمجھ ہی نہیں کہ یہ خرید وفروخت محض ڈیجیٹل فرضی اور تخیلاتی دنیا میں ہو رہی ہے اور اس کا حقیقی دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ دیکھیے بکری کے پیٹ میں جو بچہ ہوتا ہے فقہاء کرام اس کی بیع کو جائز قرار نہیں دیتے حالانکہ پیٹ میں بچہ موجود ہے یعنی "موجود مستور الحال" کو بھی فقہاء کرام "معدوم" قرار دے رہے ہیں اور یہاں پر یہ ڈیجیٹل اثاثہ حقیقت میں موجود ہی نہیں اور پھر بھی "معدوم" کو "معدوم" نہیں سمجھا جارہا، افسوس صد افسوس! اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ کیا "معدوم" چیز کی بیع جائز ہوگی؟

مولانا ندیم الواجدی رحمہ اللہ

ایک ہمہ جہت شخصیت

مولانا بدرالاسلام قاسمی
استاذ جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

سرزمین دیوبند کے سپوت

''دیوبند'' کہنے کو ایک قصبہ، ہندوستان جیسے عظیم ملک کے ایک صوبے کی چھوٹی سی بستی، آبادی لاکھ کے قریب، سڑکیں کہیں چوڑی اور کہیں سنکری، بعض گلیاں اتنی تنگ کہ جانبین سے رکشہ نہ گزر سکے، زمین بھی ہموار نہیں، کچھ محلے بلندی پر تو بعض نشیب میں، نہ اعلیٰ شہری سہولیات فراہم اور نہ ہی ترقیاتی امور میں حکومت کی کوئی خاص توجہ حاصل؛ لیکن دنیا کا کوئی کونہ ایسا نہیں جہاں اس کے نام لیوا نہ ہوں، اس کا نام سن کر ان کی رگِ عقیدت نہ پھڑکے، اس چھوٹی سی بستی پر بارہا ان شخصیات کا بھی ورود ہوا جن کے دیدار اور ایک جھلک پانے کو لوگ حاصلِ زندگی تصور کرتے ہیں، کبھی عالمی شہرت یافتہ قاری شیخ عبدالباسط مصری آ رہے ہیں، کبھی ائمہ حرم شیخ سدیس، شیخ شریم اور شیخ صالح کی تشریف آوری کا موقع ہے، کبھی شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب جلوہ افروز ہیں تو کبھی محبوب العلماء و الصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم کی روحانی مجالس میں لوگوں کی آنکھیں نم ہیں، انتخابات کے وقت سیاسی بازیگر یہاں کی گلیوں میں، ملک میں جہاں کوئی ملی تحریک سرگرم ہوئی حکومتی نظریں اسی بستی پر، ان سب کی وجہ فقط ایک ''دارالعلوم دیوبند''

جسے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی و دیگر بانیان نے اخلاص وللّٰہیت پر قائم کیا، فقیہ النفس، شیخ الہند، امام العصر، حکیم الامت، شیخ الاسلام اور مجاہد ملت جیسی عبقری اور تاریخ ساز شخصیات نے اس کارواں کو استحکام و استناد بخشا اور ترجمان مسلک دیوبند، جانشین فکر ولی اللہی، حکمت نانوتوی کے امین، فکر

تھانوی کے نقیب اور علوم کشمیری وعثمانی کے جانشین، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی علیہ الرحمہ نے نصف صدی سے زائد اپنے خونِ جگر سے سینچا، ان کے دورِ اہتمام میں یہ ادارہ مدرسہ سے جامعہ بنا، ملکی سے عالمی بنا اور اس کی معتدل فکر نے مسلک اہل سنت والجماعت کی ایسی ترجمانی کی کہ ''مسلک دیوبند'' دنیا بھر میں ''مسلک اہل سنّت والجماعت'' کا مترادف لفظ بن گیا۔ محترم جناب مولانا ندیم الواجدی صاحب علیہ الرحمہ اسی مادرِ علمی کے نہایت قابل و باصلاحیت فاضل، اسی معتدل فکر کے ترجمان، افراط وتفریط کے درمیان شائستہ و شستہ لب و لہجے میں اپنی بات پیش کرنے والے، زبانِ قلم پر کامل قدرت رکھنے والے ایک مایہ ناز فرد تھے، جو مؤرخہ 14 اکتوبر 2024ء کو دیوبند سے ہزاروں کلومیٹر دور شکاگو میں مختصر سی علالت کے بعد وفات پاگئے۔

مولانا مرحوم نے جس انداز میں ایک معتبر مترجم، مستند قلم کار، درجنوں مقبول کتابوں کے مصنف، کامیاب تاجر، مثالی باپ، بے تکلف دوست اور ملی درد رکھنے والے انسان کی حیثیت سے زندگی گزار ی ہے بلاشبہ یہ ہر ہر گوشہ مستقل تحریر کا متقاضی ہے، جن پر خوب لکھا جا رہا ہے، تعزیتی جلسوں اور نشستوں میں بیان کیا جا رہا ہے، ان کے فیض یافتگان انھیں یاد کرکے اشکبار ہو رہے ہیں اور یہ ہونا بھی ضروری ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک موجود ہے:

''اذْكُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوا عَنْ مَسَاوِيهِمْ.'' (ابوداوٗد، حدیث: ۴۹۰۰)

(تم اپنے مُردوں کی خوبیاں بیان کرو اور ان کی برائیاں بیان کرنے سے بچو۔)

جاذب و پُرکشش شخصیت

مولانا مرحوم سے باضابطہ تعارف کب ہوا یہ تو یاد نہیں، لیکن ان کے نام اور کام یعنی کتب خانہ سے شناسائی بچپن سے رہی، انھیں مختلف جلسوں اور علمی محفلوں میں موجود پایا۔ لمبا قد، سفید رنگت، اس پر نہایت خوبصورت و پرکشش سرخ داڑھی، عمدہ پوشاک، کپڑے عموماً سفید اور نہایت نفیس، سردی میں شیروانی زیب تن، اسی کے مطابق سر پر دیوبندی ٹوپی، سردی زیادہ ہوتی تو کشمیریوں والا پیرہن (جس کو استاذ گرامی، حضرت مولانا غلام نبی کشمیری علیہ الرحمہ ''ساتر العیوب'' کہتے تھے)، عموماً یہ لباس لوگوں پر کم جچتا ہے، لیکن مولانا مرحوم کی شخصیت اتنی پرکشش اور وجیہ تھی کہ اس لباس میں وہ وجاہت دوچند ہوجاتی، سر پر اکثر لال رومال، اصول پسند اور وقت کے نہایت پابند، متعین وقت پر گھر سے نکلتے، بغل میں ایک چھوٹا سا بیگ جس میں موبائل اور دکان کی چابیاں، سرما و گرما کے متعینہ اوقات کے مطابق ان کا تجارتی واشاعتی مرکز دارالکتاب کھلتا، مولانا پہلے تو باقاعدہ مصحف میں تلاوت فرماتے، بعد میں کئی مرتبہ انھیں موبائل میں تلاوت کرتے ہوئے پایا۔

سہل الاستفادہ عالم دین

ابتدا میں یقیناً یہ کتب خانہ ان کا میدان جہد وعمل رہا، ان کی شبانہ روز محنتوں نے اس مکتبہ کو دیوبند بلکہ ہندوستان کے مشہور ومعتبر اشاعتی مراکز میں شمار کرایا، تاہم اخیر عمر میں یہ جگہ اکثر وبیشتر یہ ان کی بیٹھک کی شکل اختیار کر لیتی جہاں آنے جانے اور ملاقات کے لئے کسی خاص پروٹوکول اور ضابطہ پر عمل لازم نہ ہوتا، دارالعلوم چوک چوں کہ دیوبند کا مصروف ترین علاقہ ہے، یہیں پر دارالعلوم کا مہمان خانہ بھی واقع ہے، تو کوئی نہ کوئی مولانا کے ارد گرد ضرور نظر آتا۔ ان کی شخصیت بھی کثیر الجہات تھی، کتب خانے کے ملازمین ہوں یا شہر کی کوئی معزز شخصیت، طلبۂ مدارس ہوں یا اساتذہ، ملی رہنما ہوں یا کوئی عام آدمی، وہ ہر ایک کی دسترس میں تھے، سہل الاستفادہ وکثیر الافادہ تھے۔ ملازمین وخریداران ان سے کتابوں کی تفصیلات معلوم کرتے وہ ان کی زبان پر ہوتیں، کوئی معزز شخصیت سامنے جلوہ افروز ہوتو گفتگو میں متانت وسنجیدگی، طلبہ ان سے عموماً مضمون نگاری میں ماہر بننے کے گر معلوم کرتے، کوئی تحریری مسابقہ چل رہا ہوتا تو عنوان کے مراجع کی نشاندہی کی درخواست کرتے، اساتذہ ان سے درسی کتب کا انداز تدریس پوچھ رہے ہوتے بالخصوص عربی زبان وادب کے تعلق سے ان کے ہر ہر جملے کو محفوظ کر رہے ہوتے، ملی رہنما وقائد کے سامنے ملکی وملی مسائل پر اپنے طویل تجربات اور وسیع مطالعے کی روشنی میں تبادلہ خیال فرماتے، کوئی اخباری نمائندہ سامنے ہوتا تو مشکل سے مشکل اور حساس وپیچیدہ مسائل پر اس طرح اپنی رائے دیتے کہ سامنے والا چاہ کر بھی کوئی کمزور پہلو نہ نکال پاتا۔

ماہنامہ ’’ترجمانِ دیوبند‘‘

خوب اچھی طرح یاد ہے کہ ان دنوں ماہنامہ ’’ترجمانِ دیوبند‘‘ کا بڑا شہرہ تھا۔ موبائل کی مضر صحبت سے لوگ محفوظ تھے۔ باذوق افراد اسے ہاتھوں ہاتھ لیتے، بالخصوص دیوبند سے باہر اس کی بڑی مقبولیت تھی، رسالے کے بیشتر مضامین مولانا مرحوم کے گہر بار قلم سے ہی نکلے ہوتے، تاہم بسا اوقات وہ دیوبند کے کچھ نوجوان فضلاء کی تحریر بھی اس میں شائع کرتے، غالباً ان کے پیش نظر مضمون نگار کی حوصلہ افزائی رہتی ہوگی۔ راقم کا بھی ایک مضمون حضرت مولانا مفتی مشتاق احمد قاسمی استاذ تفسیر دارالعلوم وقف دیوبند کی شخصیت سے متعلق مولانا مرحوم نے اپنے ماہنامہ میں شائع کیا تھا۔

راقم کو مولانا کی کچھ نصیحتیں

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند سے راقم جب بطور مدرس وابستہ ہوا تو گرافکس ڈیزائننگ کو بھی اپنی مصروفیات کا لازمی حصہ بنایا، کہ اول الذکر خدمت دین کا ذریعہ ہے اور ثانی معاشی سہارے کا۔ دیوبند کے مختلف کتب خانوں سے ان دنوں رابطے کیے، کچھ نے حوصلہ افزائی کی، کچھ نے ٹال دیا، جب کہ بعض نے مکمل انٹرویو ہی لے ڈالا۔ ہم (راقم اور شاہ عالم قاسمی جواُن دنوں ڈیزائننگ کے کام میں میرے شریک کار تھے، اب بفضل الٰہی النور اسلامک اکیڈمی دیوبند کے بانی اور ڈائریکٹر ہیں، طلبہ کی ایک بڑی تعداد اس ادارے سے استفادہ کر رہی ہے) مولانا مرحوم کے مکتبہ پر بھی پہنچے اور ان سے ڈیزائن کا کام مانگا۔ انھوں نے فوراً کچھ ٹائیٹل (کتابوں کے سرورق) ہمیں دیے، ڈیزائن فائنل ہونے کے بعد مولانا نے کہا ان ٹائٹل کو جلد از جلد چھپوا دیں۔ چوں کہ ہم اس میدان میں ابھی نئے تھے اور پرنٹنگ کا کام دہلی میں ہوتا تھا، ابھی ہمارے روابط اتنے مستحکم نہ تھے کہ فقط ہمارے قول پر اعتماد کرتے ہوئے ہزاروں کا کام ہو جائے اور رقم بعد میں ادا ہو، ہم تو ایسے موقع پر رقم ایڈوانس لیتے اور ٹائٹل طبع کرا کر دے دیتے۔ اسی کے پیش نظر ہم نے مولانا مرحوم سے ایڈوانس رقم کا مطالبہ کیا اور پوری تفصیل ان کے گوش گزار کی۔ اس موقع پر ان کی مشفقانہ اصول پسندی کا ہم نے مشاہدہ کیا، انھوں نے فرمایا:

> ''بھائی بدر! کوئی بھی کام ایسے نہیں ہوتا، روپیہ روپیہ کو کھینچتا ہے، کام کرنے کے لیے پہلے خود کا سرمایہ لگانا ہوتا ہے، پھر اس میں اللہ تعالیٰ برکت عطا فرماتے ہیں۔ تم از خود رقم لگاؤ، اگر اتنی رقم نہیں ہے تو کہیں سے نظم کرو، ہماری جانب سے پیمنٹ کی کوئی فکر نہ کرو، جس دن ٹائٹل طبع ہو کر آئے اسی دن اپنی مکمل رقم لے کے جانا۔''

معاملات میں کھرے

واقعی ان کی یہ نصیحت ہمیں مستقبل میں بہت کام آئی اور پھر ایک طویل زمانے تک ہم نے دارالکتاب کی یہ خدمت انجام دی، اس دوران مولانا مرحوم سے بارہا گفتگو کا موقع ملا، انھیں قریب سے دیکھا اور پرکھا، بات چیت میں انھیں بے تکلف اور کھرا پایا، وہ ہم خردوں سے بھی برادرانہ انداز میں گفتگو کرتے، ماضی کے واقعات سناتے۔ معاملات میں وہ نہایت کھرے تھے، اِدھر کام ہوا اور اُدھر اجرت آپ کی جیب میں، شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہو کہ کسی کو ان کے دور میں دارالکتاب سے واجبی رقم وصولنے میں دقت کا سامنا کرنا

پڑا ہو۔ یہی معاملات ان کے اپنے ملازمین کے ساتھ بھی تھے۔ مشہور تھا کہ انھوں نے کبھی کسی ملازم کو از خود برخاست نہیں کیا، اگر کبھی کوئی علاحدہ بھی ہوتا وہ اس کا اپنا فیصلہ ہوتا۔

چالیس سال میں کبھی تنخواہ میں تاخیر نہیں!

ان کی وفات پر منعقد دیوبند میں ایک تعزیتی اجلاس کے بعد ان کے معتمد خاص بھائی عامل صاحب (رکن اساسی دارالکتاب) نے مجھ سے بتایا کہ تقریباً چالیس سالوں سے ان کے ساتھ کام کیا، اس دوران کبھی بھی تنخواہ ایک دن بھی تاخیر سے نہیں ملی، بلکہ اگر پہلی تاریخ اتوار کو ہوتی تو وہ ہفتے کے روز ہی اس فریضہ سے سبکدوش ہوجاتے۔ ایک مرتبہ تو وہ سفر (حج یا عمرہ) سے ایک تاریخ کی شام میں دیوبند پہنچے تو اپنے معتمد ملازم سہیل بھائی کو فون کر کے تمام ملازمین کو گھر بلا کر تنخواہ دی۔ اسی طرح لاک ڈاؤن کے سخت ترین دور میں بھی انھوں نے تمام ملازمین کو حسب سابق ہی مشاہرہ دیا۔

یوں تو مولانا مرحوم اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے جامع الکمالات اور اپنی خوبیوں کے اعتبار سے مجموعۂ حسنات تھے، تاہم صفائی معاملات ان کا وصف خاص اور دیوبند کی مارکیٹ میں ان کا مابہ الامتیاز سمجھا جاتا تھا۔

نہایت مفید نظریہ

دیوبند کے مدارس میں سالانہ امتحان سے پہلے جلسہ انعامیہ کی روایت رہی ہے، جس میں طلبہ کو حسب کارکردگی کتابوں کی شکل میں انعامات سے نوازا جاتا ہے، یہی طریقہ یہاں کی صوبائی اور ضلعی انجمنوں کا بھی ہے۔ اس سلسلے میں وہ عموماً کتب خانوں سے رابطہ کرتے، ان کے سامنے اپنی سالانہ کارکردگی رکھتے اور حسب سہولت ان سے کتابوں کی شکل میں تعاون کی اپیل بھی کرتے ہیں۔ کئی مرتبہ راقم نے مولانا مرحوم کو اس بارے میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ تعمیرات، تعلیمات اور مطبخ وغیرہ کی طرح کتابوں کی خریداری کے لئے اداروں کا سالانہ بجٹ -خواہ ان کے سالانہ بجٹ کا چند فیصد ہو- مخصوص ہونا چاہیے، تبھی طلبہ کو معیاری اور عمدہ کتابیں انعام میں مل سکیں گی جو ان کے ذوقِ مطالعہ کو پروان چڑھانے اور ٹھوس علمی لیاقت میں معاون ثابت ہوں گی۔ اسی کی برکت سے ہر سال نئی کتابوں کی خریداری ہونی چاہیے تاکہ مدرسے کی لائبریریوں اور انجمنوں میں بھی معیاری کتب کا ذخیرہ پہنچ سکے۔ یوں فقط ناشرین کتب کے تعاون پر انحصار سے وقتی ضرورت یعنی اجلاس اور انعامات کی تقسیم وغیرہ کے مراحل تو انجام پا سکتے ہیں لیکن اس سے دیرپا

فائدہ نہیں ہوسکتا۔ظاہر ہے کہ بیشتر ناشرین یہ تعاون بمد زکاۃ کرتے ہیں،جس میں عموماً متوسط اور ناقص کتب دیے جانے کا ہی معمول ہے۔

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند سے تعلق

یوں تو مولانا ندیم الواجدی صاحب کا سرزمین دیوبند اور اہل دیوبند سے بہت گہرا تعلق تھا،تقریباً ہر اجلاس میں وہ مدعو ہوتے،اور اپنی جاذب شخصیت سے پروگرام کو وقار بخشتے۔حقیقت یہ ہے کہ ان کا اصل میدان تحریر وصحافت کا تھا،وہ اسٹیج کے ان عوامی مقررین میں کبھی شامل نہ ہوئے جو جوشِ خطابت اور سحر انگیز تقریر کے لیے شہرت رکھتے ہوں،واقعات ولطائف کا سہارا لے کر معمولی سی بات کو گھنٹوں میں بیان کرتے ہوں۔مولانا ندیم الواجدی کی بہت سی تقریریں میں نے سنی،وہ نہایت سنجیدگی ومتانت کے ساتھ سامعین سے مخاطب ہوتے،کوئی واقعہ ذکر کرتے تو کوئی نہ کوئی حوالہ بھی ساتھ ہوتا،ان کی گفتگو میں طویل تجربات و مشاہدات کی روشنی میں مختصر اور جچی تلی باتیں ہوتیں جن سے زیادہ فائدہ اہل علم سامعین ہی کو ہوتا۔

فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری علیہ الرحمہ سے ان کا خاص تعلق تھا،چنانچہ جب شاہ صاحب کی سرپرستی میں معہد الانور (موجودہ نام''جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند'') نامی ادارہ قائم ہوا اور اس کی انجمن''کواکبِ انور'' کے سالانہ اجلاس کا سلسلہ شروع ہوا تو مولانا ندیم الواجدی صاحب معہد کے ہر چھوٹے بڑے پروگرام میں ضرور شرکت فرماتے۔راقم السطور کے والد گرامی حضرت مولانا مفتی محمد اسلام قاسمی،ادیب اریب حضرت مولانا نسیم اختر شاہ قیصر،استاذ گرامی قدر حضرت مولانا عبد الرشید بستوی اور مولانا ندیم الواجدی صاحبان کا تعلق بہت مستحکم اور گہرا تھا،یہ چاروں اربابِ علم وادب بیک وقت معہد الانور کے اکثر وبیشتر پروگراموں میں شامل ہوتے۔

چار اساطین علم وفن

اجلاس میں ناظم تعلیمات حضرت مولانا عبد الرشید بستوی کی شاندار نظامت ہوتی،جس میں وہ تعلیم و تعلّم کی اہمیت اور اس کے فضائل بیان فرماتے،حضرت مولانا نسیم اختر شاہ قیصر اپنی شعلہ بیانی،سلاست و روانی،مسجع ومقفع جملوں کی چاشنی اور اپنی گرجدار آواز میں چند منٹوں میں مجمع پر چھا جاتے،والد گرامی حضرت مولانا مفتی محمد اسلام قاسمی دار العلوم دیوبند کی تاریخ بیان کرتے،امام العصر علامہ کشمیری کی عبقریت کو واضح فرماتے،جب کہ حضرت مولانا ندیم الواجدی لہجے میں نہایت ٹھہراؤ اور سنجیدگی کے ساتھ اظہار

خیال کرتے۔افسوس کہ یہ چاروں افراد دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، جہاں ان کی رحلت سے دیو بند اور اہل دیو بند کی جانب سے منعقد جلسوں میں خلا پیدا ہوا، وہیں دوسری جانب شاہ صاحب کا قائم کردہ معہد الانور اپنے چار مخلصین ومحبین سے محروم ہو گیا۔

تعزیت کس سے کریں!!

حضرت مولانا ندیم الواجدی صاحبؒ کی اچانک رحلت سے کچھ دنوں تک عجیب سا سناٹا محسوس ہوا، سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ تعزیت کس سے کی جائے۔ دارالکتاب کی پُررونق مجلس کے وابستگان سے، اُن کے احباب ومعاصرین سے، ان کی شفقتوں اور عنایتوں سے مالا مال اُن کے ملازمین سے، اُن فضلاء سے جنھوں نے دورانِ طالب علمی مولانا سے کسبِ فیض کیا، مضمون نگاری کے نوک و پلک سنوارے، مقالات تحریر کیے، اُن اربابِ انتظام واہتمام سے جو موقع بہ موقع مولانا سے مشورے کرتے، اُن کی ہدایات پر عمل کر کے اپنا معیارِ تعلیم بلند کرنے کی کوشش کرتے، دیو بند کی ہر علمی اور ادبی شخصیت سے کہ جن کی مجلسوں اور محفلوں کی رونق مولانا کے دَم سے تھی، یا اُن کے گھر ''عفت مآب'' سے ''دارالکتاب'' تک بسنے والے ہر اُس شخص سے جو علم وادب کے اس بحرِ ذخار، تحریر وصحافت کے عظیم شناور، درجنوں کتابوں کے مصنّف اور ایک کامیاب تاجر کو جو صبح وشام اپنے معمول کے مطابق متعینہ وقت میں اس راہ پر گزرتے دیکھتے تھے۔ یا پھر مولانا کے حقیقی و علمی جانشین، ہزاروں افراد کے لیے سببِ ہدایت، بلا مبالغہ لاکھوں نوجوانوں کے لیے رول ماڈل، محترم جناب مولانا مفتی یاسر ندیم الواجدی حفظہ اللہ سے جن کی وسیع اور ہمہ جہت ایمانی خدمات بلاشبہ اپنے والد مرحوم کے لیے بہترین صدقۂ جاریہ ہیں، جن سے امید بلکہ قوی یقین ہے کہ وہ اپنے عظیم والد کی زندگی کے ہر ہر گوشے پر مشتمل ایک مفصل سوانح حیات مرتب کریں گے جو نسلِ نو کے لیے بہترین رہنما ثابت ہوگی۔ ان شاء اللہ۔

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو جنّت الفردوس کی راحتیں بخشے اور اُن کے جملہ متعلقین کو صبر وسکون نصیب فرمائے۔ آمین

……◆……

مغربی تہذیب وثقافت اور مسلمان خواتین!

یریداحمد نعمانی

کیا کبھی آپ کسی معروف ڈپارٹمینٹل اسٹور گئے ہیں؟ پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ اپنی اشیا ضرورت کی خریداری میں مصروف ہوں، ایسے میں کسی ''بنت حوا'' کی آواز سوچ وفکر کا دائرہ اپنی طرف مبذول کراتی ہے۔ متعلقہ کمپنی کی مصنوعات کی خوبیوں، فوائد اور ثمرات کی تسبیح میں گنواتی زبان لمحہ بھر کے لئے آپ کو ذہنی وقلبی تذبذب سے دوچار کر دیتی ہے۔ کشش صوت سے لے کر ہیئت لباس تک کا ''وصف اور ڈھنگ'' ابلیسی تیر بن کر آپ کی ایمانی وروحانی نظر وفکر کے قالب کو زخمی کرتا نظر آئے گا۔

قارئین! یہ رونا اور یہ دکھڑا کسی خاص مقام، مکان اور جگہ کا نہیں ہے۔ شامت اعمال کی یہ مشاہداتی تصویریں مسلم معاشرے میں ہر نشیب وفراز اور قدم قدم پر دیکھنے کو ملتی ہیں۔ جاہلیت قدیمہ اور جاہلیت جدیدہ صنف نازک کی تذلیل، تحقیر اور عدم توقیر کے حوالہ سے سرمو کوئی فرق وامتیاز نہیں رکھتیں۔ حوا کی بیٹی ماضی قدیم میں یونانیوں کے ہاں برائیوں کا منبع، عرب کے ہاں ذلت ورسوائی کی علامت اور اہل کلیسا کے ہاں لونڈیوں سے بدتر حیثیت کی حامل گردانی جاتی تھی۔ حد تو یہ ہے کہ نصرانیت باوجود ایک مذہب سماوی کا دعویدار ہونے کے تحریف وتبدل کی رنگ آمیزی سے اس قدر کھوکھلا ہو چکا تھا کہ، عورتوں کے لئے کلام مقدس کو چھونا اور گرجے میں داخلہ تک ممنوع قرار دیا جا چکا تھا۔ اس کے برخلاف اسلام نے ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کی صورت میں عورت کے حقوق بیان اور بحال کیے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک تعلیمات تو صنف اناث کو ''آبگینوں'' کی مانند نازک بتلاتی اور ان کی حفاظت کا حکم دیتی ہیں۔

فی زمانہ حقوق نسواں کی بحالی اور تحفظ کے نام پر ٹڈی دل مغرب زدہ این جی اوز کا وجود نامسعود مسلمان خواتین کو دین سے برگشتۂ خاطر کرنے کے لئے کیا کیا طریقے اور حربے اپنا رہا ہے؟ آئیے! ایک اچٹتی نظر اس کھلی حقیقت پر ڈالتے ہیں:

(۱) معاشرے کے مستحکم اور فیصلہ کن اہمیت وحیثیت رکھنے والے افراد کار سے ربط وضبط بڑھانا تاکہ راستے کی رکاوٹوں کو دور کیا جاسکے۔ (۲) اشتہارات کی تشہیر اور لٹریچر کی اشاعت کے ذریعہ رائے عامہ کی ہمواری۔ (۳) باقاعدہ اور منظم طریقہ کار کے تحت عدالتوں میں ''عورتوں کے لئے جنسی فیصلوں کی آزادی'' کے

عنوان سے من پسند شادی کرنے والے جوڑوں کے مقدمات عدالت میں ہیں تاکہ بین الاقوامی سطح پر اس طرز عمل کی زیادہ سے زیادہ پذیرائی ہو سکے۔(۴) جنسی بے راہ روی کو ہوا دینے کے لئے مخلوط تعلیمی اداروں کے قیام کی بھرپور حوصلہ افزائی۔(۵) دفاتر، فیکٹریوں اور کارخانوں میں مرد وعورت کے اختلاطی ماحول کی نشوونما۔ نوبت بایں جا رسید کہ بعض مسلم ممالک میں مخلوط ماحول پیدا کرنے کے لیے ایجوکیشن، انجینئرنگ، اکاؤنٹس اور دیگر دفتری امور کے لئے خواتین کیڈٹس کی بھرتی جاری وساری ہے۔(۶) ذرائع ابلاغ کے ذریعہ مخلوط محفلوں کی خبریں، کہانیاں اور رپورتاژ منظر عام پر لائی جا رہی ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا سے پیش کیے جانے والے پروگراموں میں جنسی آزادی اور خاندانی منصوبہ بندی کے مقاصد کو خصوصی طور پر اجاگر اور نمایاں کیا جا رہا ہے۔اس صورت حال پر حفیظ جالندھری کے اشعار جاندار اور خوبصورت تجزیہ وتبصرہ معلوم ہوتے ہیں:

اب مسلماں میں بھی نکلے ہیں کچھ روشن خیال
جن کی نظروں میں حجابِ صنفِ نازک ہے وبال

چاہتے ہیں بیٹیوں، بہنوں کو عریاں دیکھنا
محفلیں آباد لیکن گھر کو ویراں دیکھنا

یہ بات اب طشت از بام ہو چکی ہے کہ ان این جی اوز کے پشت پناہ اقوام متحدہ، امریکہ اور صہیونی گماشتے ہیں، جن کا مطمح نظر اور مقصد حیات ہی اسلام کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانا ہے۔

تسلیم کہ ''معاش''، بعض مخصوص حالات وکیفیات میں کچھ خواتین کی اقتصادی مجبوری ہے۔لیکن اس کے لئے حدود شرع کو پامال کرنا، اسلامی تعلیمات کا سر عام ''عملی استہزا'' کرنا اور مشرقی روایات واقدار کو پس پشت ڈالنا کہاں کی دانشمندی، روشن خیالی اور تہذیب یافتہ ہونے کی علامت ونشانی ہے؟ اسلام دین فطرت ہے۔ اس کی روشن، واضح اور غیر مبہم تعلیمات ہر دور وزمانہ میں چھوٹے سے لے کر بڑے تک، عورت سے لے کر مرد تک، بچہ سے لے کر بوڑھے تک، جاہل سے لے کر عالم تک، فقیر سے لے کر غنی تک غرض ہر ایک کے لئے یکساں قابل قبول وعمل تھیں، ہیں اور رہیں گی۔کمی اور نقص انسان کی کمزوری اور خامی ہے۔ضرورت اس امر کی ہے مسلمان خواتین اپنی متاع عفت وایمان کی حفاظت، اہمیت اور ضرورت کو اسلام کی آفاقی تعلیمات کی روشنی میں جاننے، سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی سعی بلیغ کریں۔

سر دست صاحب ایمان خاتون کا لباس اسلام کی نگاہ میں کیا اہمیت وحیثیت رکھتا ہے؟ اس سوال کا جواب ''دین مبین'' کی تعلیم کردہ ہدایات کے آئینے میں دیکھتے ہیں۔

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''اللہ تعالیٰ ان عورتوں پر رحم فرمائے جنھوں نے اسلام کے ابتدائی دور میں (مکہ سے مدینہ) ہجرت کی۔جب اللہ پاک نے ''ولیضربن بخمرھنّ علی جیوبھنّ'' کا حکم نازل فرمایا تو انھوں نے اپنی موٹی چادروں کو کاٹ کر دوپٹے بنا لیئے۔'' مفسرین لکھتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں مشرک عورتیں سر پر دوپٹہ کر کے بقیہ حصہ کمر پر ڈال دیا کرتی تھیں۔اس کے برعکس مسلمان عورتوں کو حکم

ہوا کہ سر سمیت سینہ اور گلے پر بھی دوپٹہ ڈالیں۔ یہ حکم سن کر صحابیات نے موٹی چادروں کو کاٹ کر اپنے دوپٹے بنالئے، کیونکہ باریک کپڑے سے سر اور بدن کا پردہ نہ ہوسکتا تھا۔ ''تحفۂ خواتین'' میں مولانا عاشق الٰہی رحمہ اللہ حدیث مذکور کے ذیل میں رقمطراز ہیں: ''آج کل کی عورتیں سر چھپانے کو عیب سمجھتی ہیں اور ڈوپٹہ اوڑھتی بھی ہیں تو اس قدر باریک ہوتا ہے کہ سر کے بال اور مواقع حسن و جمال اس سے پوشیدہ نہیں ہوتے، دوسرے اس قسم کا ڈوپٹہ بناتی ہیں کہ سر پر ٹھہرتا ہی نہیں چکناہٹ کی وجہ سے بار بار سرکتا ہے اور پردہ کے مقصد کو فوت کردیتا ہے۔''

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ پاک ایسے مرد پر لعنت فرماتے ہیں جو عورت کا لباس پہنے اور ایسی عورت بھی اللہ تعالیٰ کی لعنت کی سزاوار ٹھہرتی ہے جو مرد کا پہناوا زیب تن کرے۔'' اس حدیث مبارک کی روشنی میں اپنے گرد وپیش پر نظر ڈالیے! فیشن پرستی کا ماحول، موسم اور فضا اباحیت پسندی، جنسی بے راہ روی، فحاشی وعریانی اور مادیت کی یورش ہر سو بپا کئے ہوئے ہے۔ نادانی خودفریبی اور نفس پرستی کا شکار مسلمان ''غیروں'' کی نقالی میں اس قدر منہمک ہوچکا ہے کہ مرد وزن کے ہیئت لباس، نوعیت کار اور پیدائشی فرق تک کو ختم کردینے پہ تلا ہوا ہے۔

☆ حضرت ابوہریرہؓ کی دوسری روایت میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اہل جہنم کے دو طبقے ایسے ہیں جن کو میں نے نہیں دیکھا۔ ان دو گروہوں میں سے ایک تو وہ قوم ہوگی جن کے پاس کوڑے ہونگے گائے کی دم کی طرح اور اس سے وہ لوگوں کو (ناحق) ماریں گے۔ دوسرا طبقہ ان عورتوں کا ہے جو بظاہر کپڑے پہنے ہوں گی لیکن پھر بھی ننگی ہوں گی، مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی اور خود ان کی جانب میلان رکھنے والی ہوں گی۔'' ان کے سر خوب بڑے بڑے اونٹوں کے کوہان کی طرح ہوں گے۔ وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور نہ ہی اس کی خوشبو پاسکیں گی۔ حالانکہ اس کی خوشبو اتنی اتنی دور سے آرہی ہوگی۔'' کتنی سخت وعید ہے ان دختران ملت کے واسطے جو اسلامی معاشرت اور اوضاع واطوار سے صرف نظر کرکے جدت پسندی اور باطل رسوم ورواج کو اپنی کامیابی کی کلید اور ترقی کا زینہ سمجھ بیٹھی ہیں۔ کیا آج مغرب کی مادہ پرستی نے عورت کو زمانہ جاہلیت کی طرح عزت کی اوج ثریا سے خاکِ ذلت پر نہیں دے مارا؟ کیا آج امت مسلمہ کی مائیں، بہنیں اور بیٹیاں مغربی استعمار کے دام تزویر کا شکار نہیں؟ فیصلہ آپ پر ہے!! فطرت سے بغاوت کے نتیجے میں خود اس یورپ کی معاشرتی ٹوٹ پھوٹ اور خانگی زندگی کی زبوں حالی کیا صورت وشکل اختیار کرچکی ہے؟ اس ضمن میں سوویت یونین کے آخری صدر میخائل گورباچوف کا یہ ''اعتراف جرم'' سند کے طور پر پیش کرنے کے لئے کافی ہے، جس میں انھوں نے کہا: ''ہم نے عورتوں کو گھر سے نکال کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اس سے اگرچہ ہماری مصنوعات بڑھ گئیں لیکن ہم معاشرتی ابتری کا شکار ہوگئے ہیں۔''

جامعہ کی سرگرمیاں

مولانا سید فضیل احمد ناصری
استاذ حدیث جامعہ ہٰذا

ششماہی امتحان کے نتائج

پچھلے ماہ ششماہی امتحان کے نتائج آویزاں ہوئے، جو بحمد اللہ بہت اچھے رہے۔ امتحان کی خبر آپ پچھلے شمارے میں پڑھ چکے ہیں۔

ہر جماعت کے پوزیشن یافتہ طلبہ کے نام حسب ذیل ہیں:

درجۂ ناظرہ: دانش مظفر نگر، اوّل، عبدالرزاق سہارن پور، دوم، محمد طالب سہارن پور، سوم

درجۂ حفظ: ریاض عالم کٹیہار، اوّل، التمش میرٹھ، دوم، محمد حسن گڈا، سوم

درجۂ اعدادیہ: محمد سہارن پور، اوّل، محمد ثاقب شاملی، دوم، محمد آصف جھانسی، سوم

سالِ اول: عاصم مقبول کشمیر، اوّل، عبدالحفیظ بستی، دوم، خلیل شاہ کشمیر، سوم

سالِ دوم: محمد عمران ارریہ، اوّل، احمد ویشالی، اوّل، عبداللہ شیخ سیتامڑھی دوم، میزان الرحمن مغربی بنگال، سوم

سالِ سوم: انیس ہریانہ، اوّل، محمد مزمل مدھے پورہ، دوم، عبداللہ شاملی، سوم

سالِ چہارم: عبداللہ دہلی، اوّل، محمد اسامہ مظفر نگر، دوم، عمر ضیاء سہارن پور، سوم

سالِ پنجم: محمد اسماعیل جموں، اوّل، فیاض گجرات، دوم، توقیر عالم سپول، سوم

دورۂ حدیث شریف: افروز خان تلنگانہ، اوّل، محمد عالم ہریانہ، دوم، مزمل ہریانہ، سوم

تکمیل ادب عربی: عبدالرحمن راجستھان، اوّل، عرفان احمد کشمیر، دوم، فاروق خان راجستھان، سوم

تکمیل افتاء: محمد امتیاز اللہ سیتامڑھی، اوّل، کریم اللہ ایم پی، دوم، صدام حسین بٹ کشمیر، سوم

سالانہ امتحان کی بازگشت

ششماہی امتحان کے بعد سب سے بڑا امتحان سالانہ ہوتا ہے۔ یہی امتحان طلبہ کی ترقی وتنزلی کا معیار بنتا ہے۔ سالانہ امتحان شعبان میں ہوگا، مگر اس کی بازگشت ابھی سے سنائی دے رہی ہے۔ طلبہ نے اپنا تعلیمی انہماک مزید بڑھا دیا ہے۔ دریں اثنا جامعہ کے دفتر تعلیمات کی جانب سے ایک اعلان جاری ہوا، جس کا متن یہ ہے:

طلبۂ عزیز! (1): امتحان سالانہ 3/ شعبان المعظم 1446ھ سے 16/ شعبان المعظم 1446ھ تک ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالی۔ (2) عربی تعداد میں 27/ رجب المرجب 1446ھ/ تک تعلیم ہوگی، جب کہ ناظرہ وحفظ کی تعلیم 12/ شعبان المعظم 1446ھ/ تک ہوگی۔ (3) تعطیل سالانہ 17/ شعبان المعظم 144ھ/ سے شروع ہوگی، اس لیے تمام طلبۂ عزیز خوب سوچ سمجھ کر اپنا ٹکٹ قمری تاریخوں کے اعتبار سے ہی بنائیں۔ (4) امتحان ششماہی 1446ھ میں ناکام طلبہ سال چہارم تا دورۂ حدیث شریف کا ضمنی امتحان 29/ رجب المرجب 1446ھ/ میں منعقد ہوگا۔ (5) امتحان سالانہ میں شرکت کے لیے 75/ فیصد حاضری ہونا ضروری ہے، اس کے بغیر امتحان میں شرکت کی اجازت نہیں ہوگی اور اس سلسلے میں کوئی بھی رعایت نہیں کی جائے گی، نیز کوئی بھی سفارش قابل قبول نہیں ہوگی۔

سالانہ انعامی اجلاس کا اعلان

طلبہ کی حوصلہ افزائی کے لیے جامعہ ہر سال انعامی اجلاس منعقد کرتا ہے، جس میں لاکھوں روپے کی کتابیں طلبہ کو حسب لیاقت انعام میں دی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ صدریوں اور نقد رقم سے بھی نوازا جاتا ہے۔ جامعہ کا اگلا سالانہ انعامی اجلاس عنقریب ہونے جا رہا ہے، جس کی تفصیل دفتر تعلیمات کے مطابق حسب ذیل ہے:

اہم اعلان جلسۂ انعامیہ بابت 1445ھ مطابق 2024ء طلبۂ عزیز! (1) جلسۂ انعامیہ 9/ جنوری 2025 جمعرات صبح 9/ بجے منعقد ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالی۔ (2) جو طلبہ امسال جامعہ ہذا میں زیر تعلیم نہیں ہیں اور وہ جلسۂ انعامیہ میں شرکت کرنا چاہیں تو وہ اپنی درخواستیں 5/ جنوری 2025 صبح 12/ بجے تک دفتر تعلیمات میں جمع کر دیں۔ اس کے بعد کوئی بھی درخواست قبول نہیں کی جائے گی۔ (3) انعام کا مستحق وہی طالب علم ہوگا جو ضابطے کی رو سے کامیاب قرار پائے گا۔ (4) جلسۂ انعامیہ میں طالب علم کا ازخود

حاضر ہونا ضروری ہے۔ کسی دوسرے طالب علم کو انعام نہیں دیا جائے گا۔ اس سلسلے میں کوئی بھی عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔

طلبہ میں لحاف اور صدریوں کی تقسیم

جامعہ ہذا میں طلبہ کی سہولت کے لیے جہاں اور انتظامات ہیں وہیں موسم سرما کی گزند اور بادزمہریر کے آزار سے بچنے کے لیے لحاف اور صدریاں بھی تقسیم کی جاتی ہیں۔ اس مرتبہ بھی ضرورت مند طلبہ کو ان اشیا سے مستفید کیا گیا۔ لحاف کا انتظام جامعہ ہذا کے سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین حضرت مولانا عبدالرشید بستوی صاحب رحمہ اللہ کے ایصال ثواب کے لیے ان کے برادر نسبتی مولانا زبیر صاحب نے کیا، جب کہ صدیوں کا انتظام دینی کتاب گھر دیوبند کے مالک جناب عمیر ثاقب صاحب نے کیا۔ اللہ تعالیٰ دونوں حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

رواق انظر میں غسل خانہ وغیرہ کی تعمیر

فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ کے نام سے منسوب نئی بلڈنگ رواق انظر کی تعمیر کا کام الحمدللہ جاری ہے۔ تحتانی حصے کے تقریبا تمام کمرے مکمل ہو چکے ہیں، جن میں طلبہ کی رہائش پچھلے سال سے جاری ہے، تاہم ابھی تک غسل خانے اور بیت الخلاء کا نظم نہیں تھا، جس کی وجہ سے طلبہ کو کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ طلبہ کی اس بڑی پریشانی کو دور کرنے کے لیے رئیس الجامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری دامت برکاتہم نے فوری تعمیر کی طرف توجہ فرمائی۔ الحمدللہ کام بڑی تیزی سے جاری ہے۔ امید ہے کہ ان شاء اللہ یہ دونوں چیزیں چند دنوں میں قابل استعمال ہو جائیں گے۔

جامعہ میں مولانا ندیم الواجدی کے لیے دعائے مغفرت

ملک کے مشہور صاحب قلم اور معتبر مصنف مولانا ندیم الواجدی صاحب کے انتقال کی خبر نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ خبر وفات عام ہوتے ہی جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند میں طلبہ اور اساتذہ نے قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کیا۔ اس کے بعد ایک اہم تعزیتی نشست ہوئی۔ نشست کی صدارت کرتے ہوئے جامعہ کے شیخ الحدیث و مہتمم حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری مدظلہ نے کہا کہ مولانا کی ندیم الواجدی صاحب کی وفات سے ایک ترجمان دیوبند چلا گیا۔ ایک بڑا خلا پیدا ہوگیا۔ وہ فکر دیوبند کو بڑے ہی سلجھے ہوئے

انداز میں پیش کرنے میں کمال رکھتے تھے۔ لکھنے پڑھنے میں انہوں نے پوری زندگی کھپا دی۔ دارالکتاب کے نام سے کتابوں کی نشر واشاعت کا سلسلہ شروع کیا جس نے ان کی ناموری میں چار چاند لگائے۔ متعدد اہم کتابیں ان کے آب دار وتاب دار قلم سے آئیں۔ ان کا رسالہ ترجمان دیوبند اہل علم کے حلقوں میں خوب قبول ہوا۔ وہ لوح وقلم کے خداداد ملکہ سے گلستان علم وادب کی قابل رشک انداز میں آبیاری کرتے رہے۔ حضرت کشمیری مدظلہ نے مزید کہا کہ وہ جامعہ کے قابل احترام محبین میں سے تھے۔ ہر اہم موقع پر ان کو موجودگی ہوتی۔ ان کے انتقال نے علم وقلم کی دنیا میں ایک خلا پیدا کر دیا ہے اور ہم ایک قدیم دوست سے محروم ہو گئے ہیں۔ جامعہ کے استاذ حدیث مولانا سید فضیل احمد ناصری نے کہا کہ مولانا ندیم الواجدی صاحب کے انتقال نے علم وادب کی دنیا کو زبردست جھٹکا دیا ہے۔

مولانا مرحوم جامع کمالات تھے۔ صحافت، علم اور قلم کے دھنی تھے۔ بسیار نویس اور زود نویس تھے۔ خوب لکھتے اور ڈوب کر لکھتے۔ عربی زبان وادب ان کا میدان تھا۔ عربی پر بے پناہ مہارت کی بنا پر انہوں نے کئی اہم کتابوں کے ترجمے کیے۔ لغت کی کتابیں بھی لکھیں۔ وہ ہر موضوع پر بے لاگ اور بے تکان لکھتے تھے۔ ان کی وفات نے دیوبند کے ہاتھ سے ایک ممتاز ترین قلم چھین لیا ہے۔ جامعہ کے صدر المدرسین مفتی وصی احمد بستوی نے کہا کہ مولانا ندیم الواجدی صاحب بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ وہ کامیاب تاجر ہونے کے ساتھ زبردست مصنف، ادیب اور صحافی تھے۔ کم وبیش پچاس کتابیں ان کے قلم سے آئیں۔ ان کے مضامین مواد سے بھرپور اور زبان نفاست سے معمور تھی۔ وقت کو برتنا اور اس سے فائدہ اٹھانا ان کا امتیازی وصف تھا۔ دارالکتاب جیسے کتب خانے کا انتظام وانصرام دیکھنا اور اس کے باوجود قرطاس وقلم کی خدمت کرنا حیرت انگیز ہے۔ ناچیز سید فضیل احمد ناصری کی دعا پر تعزیتی نشست کا اختتام ہوا۔

……◆……

Monthly MUHADDIS-E-ASR Deoband
Vol. 22 Issue 03/May-July/2024
RNI UPURD/2000/10663(83220)
Contact Mob:+91-9557051315 jimask98@gmail.com
Printed, Published & Edited By Syed Ahmad Khizar Shah
on Behalf of JIMAS, Behind Eidgah, Deoband. Saharanpur (U.P.)
Printed At Mukhtar Press Samreen Printers, Deoband

Dec 2024



جامعہ کی مرکزی عمارت ''انور ہال'' اور مسجد انور شاہ پر مشتمل شاندار منظر



جامعہ میں زیر تعمیر جدید دار الاقامہ کا مجوزہ نقشہ



دار الاقامہ کا بیرونی منظر



مسجد انور شاہ

Jamia Imam Mohammad Anwar Shah
A/C No.: 50100420638245
IFSC : HDFC0001974
BRANCH: HDFC DEOBAND